ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی
بحیثیت مصنف

[حصہ اول]

از

ڈاکٹر سفیر اختر

ترتیب و تقدیم

محمد عرفات اعجاز اعظمی

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

بحیثیت مصنف

[حصہ اول]

از

ڈاکٹر سفیر اختر

ترتیب و تقدیم

محمد عرفات اعجاز اعظمی

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی

تفصیلات

- نام کتاب : ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی بحیثیت مصنف
- مصنف : ڈاکٹر سفیر اختر
- ترتیب وتقدیم : محمد عرفات اعجاز اعظمی
- صفحات : ۱۰۸
- باراول : ۲۰۲۱ء
- قیمت :
- مطبع :

ISBN

ملنے کے پتے

- ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی
- مکتبہ جامعہ، اردو بازار جامع مسجد، دہلی ۱۱۰۰۰٦
- اعظمی کتاب گھر پیرا ڈائز ٹریولس تکیہ، اعظم گڑھ-موبائل: ۹٦۹۵۱۷۴۷۹۹

ooo

○

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

کے

قدردانوں کے نام

○○○

مشمولات

حرفِ آغاز

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی [ولادت: ۱۹۶۶ء] گذشتہ تین دہائیوں سے علم و ادب کی وادی میں سرگرم عمل ہیں، ان کی عمومی علمی و مطالعاتی دنیا وسیع ہونے کے ساتھ متنوع بھی ہے، جس کے جلوے تین درجن سے زاید کتابوں کی شکل میں علمی دنیا دیکھ چکی ہے۔ مگر ان کی جس خوبی نے سب سے زیادہ اہل علم کے دامنِ توجہ کو اپنی جانب کھینچا ہے، وہ ان کا خصوصی موضوع 'مطالعۂ شبلی' ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے شبلی شناسی اور مطالعۂ شبلی کے صحرا میں تن تنہا سفر شروع کیا اور اپنے نقش پا کے ساتھ باغ و بہار کا ایک ایسا جہاں آباد کرتے چلے گئے جو بعد والوں کے لیے مشعل راہ ہونے کے ساتھ راحت جاں کا بھی سبب ہوگا۔ ان کے زرخیز دماغ نے مطالعۂ شبلی کے ایسے ایسے گوشوں کی طرف جست کی ہے کہ حیرت ہوتی ہے کہ ان سے پہلے کسی کا ذہن اس سمت کیوں نہیں گیا۔ بعض موضوع تو ایسے ہیں جس میں اولیت کا سہرا ڈاکٹر صاحب ہی کے سر ہے۔

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے اعظم گڑھ کے ایک گاؤں مہراج پور میں ۱۹۶۶ء میں ایک متوسط دین دار، زمین دار گھرانے میں آنکھ کھولی۔ گاؤں اور خاندان کی روایت کے مطابق گاؤں ہی میں مکتبی تعلیم حاصل کی۔ ان کے والد انھیں عالم دین بنانا چاہتے تھے، مگر وہ اس میدان کی بجائے دوسرے میدان میں پہنچ گئے اور آگرہ یونی ورسٹی سے ایم اے اردو اور پوروانچل یونی ورسٹی جون پور سے 'دارالمصنّفین کی تاریخی خدمات' کے موضوع پر مقالہ

لکھ کر پی ایچ ڈی کی سند حاصل کی۔ یہ مقالہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ سے شائع ہو چکا ہے۔اس کے بعد اگر چہ ڈاکٹر صاحب نے ایک سرکاری اسکول میں ملازمت کر لی اور اسی کے ہو کر رہ گئے، مگر انھوں نے تصنیف و تالیف سے اپنا رشتہ مسلسل استوار رکھا، درجنوں کتابیں لکھیں اور علمی مقالات کے تو اتنے انبار لگائے کہ ہندو پاک کا شاید ہی کوئی ایسا رسالہ ہوگا جو ان سے متمتع نہ ہوا ہو۔

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی اب تک تین درجن سے زاید کتابیں طبع ہو چکی ہیں، جن میں ان کے خصوصی موضوع مطالعۂ شبلی سے متعلق ۱۸/ کتابیں شامل ہیں۔ یہ علامہ شبلی کی زندگی اور ان کے کارناموں سے متعلق ایسا باب ہے جس کی دوسری مثال شاید ہی ملے۔

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی صاحب کی بیشتر کتابوں نے رنگ و آہنگ کے اعتبار سے علمی دنیا میں انفرادیت کا اپنا نقش قائم کیا ہے، اس کا اندازہ ان کی کتابوں پر اہلِ علم اور اربابِ دانش کے تبصروں سے ہوتا ہے۔خوش قسمتی سے ڈاکٹر صاحب کو بعض ایسے مبصر ملے جنھوں نے ان کی متعدد کتابوں پر سیر حاصل تبصرے کیے اور تبصرہ نگاری کا حق ادا کرنے کی کوشش کی۔ ان میں سرفہرست پروفیسر ریاض الرحمان خان شروانی مرحوم ہیں۔شروانی صاحب نے ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی صاحب کی ۱۵/ کتابوں پر تفصیلی تبصرے لکھے ہیں جو ماہنامہ 'کانفرنس گزٹ' اور ان کے رسالے 'فکرنو' علی گڑھ میں شائع ہوئے ہیں، جن کو ان کے تبصروں کے مجموعے 'کتابوں کے درمیان' میں پڑھا جاسکتا ہے۔'معارف' اعظم گڑھ کے صفحات میں بھی دسیوں کتابوں پر مولانا عمیر الصدیق ندوی صاحب کے قلم سے تعارف و تبصرے نکلے ہیں۔ اسی طرح جناب شکیل رشید نے 'ممبئ اردو نیوز' میں ان کی متعدد کتاب پر تبصرہ کیا ہے۔ڈاکٹر صاحب کی کتابوں پر تبصرہ کرنے والوں میں مولانا ضیاء الدین اصلاحی، مولانا مجیب اللہ ندوی، پروفیسر خورشید نعمانی اور شمس الرحمان فاروقی جیسے

جید اساطین علم و قلم کے نام بھی شامل ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی کل کتابوں کی تعداد [بشمول مرتبہ و مترجمہ] ۴۵/ ہے، جو ہند و پاک کے مختلف اشاعتی اداروں سے شائع ہوئی ہیں۔ ان کی تفصیل بلحاظ موضوع و سنینِ طباعت یہ ہے:

شبلیات:

۱- متعلقاتِ شبلی [ادبی دائرہ اعظم گڑھ- طبع اول: ۲۰۰۸ء- طبع دوم: ۲۰۱۱ء]

۲- کتابیاتِ شبلی [دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، ۲۰۱۱ء]

۳- شبلی سخن وروں کی نظر میں [ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۲۱ء]

۴- مکتوباتِ شبلی [ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۱۲ء]

۵- آثارِ شبلی [دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، ۲۰۱۳ء]

۶- علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط [ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۱۳ء]

۷- شبلی شناسی کے سو سال [ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۱۴ء]

۸- شذراتِ شبلی [دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، ۲۰۱۴ء]

۹- اقبال اور دبستانِ شبلی [ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۱۵ء]

۱۰- شبلی اور جہانِ شبلی [ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۱۵ء]

۱۱- مراسلاتِ شبلی [دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، ۲۰۱۶ء]

۱۲- نوادراتِ شبلی [ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۱۷ء]

۱۳- شبلی خود نوشتوں میں [ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۱۸ء]

۱۴- علامہ شبلی کی تعزیتی تحریریں [دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، ۲۰۱۹ء]

۱۵- نقوشِ شبلی [ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۲۰ء]

۱۶- کلامِ شبلی کے اعلام واشخاص [ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۲۰ء]

۱۷- بیانِ شبلی - جلد اول [ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، ۲۰۲۱ء]

۱۸- تصانیفِ شبلی کے تراجم [ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۲۱ء]

سوانح وتذکرے:

۱۹- تذکرۃ القرا [طبع اول: دانش بک ڈپو ٹانڈہ، ۱۹۹۶ء- طبع دوم: ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۱۲ء]

۲۰- سید سلیمان ندوی بحیثیت مورخ [طبع اول: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ، ۲۰۰۱ء- طبع دوم: ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۱۴ء]

۲۱- عظمت کے نشاں [طبع اول: ادب کدہ مہراج پور اعظم گڑھ: ۲۰۰۵ء- طبع دوم: ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۱۰ء]

۲۲- شاہ معین الدین احمد ندوی: حیات خدمات [ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۰۷ء]

۲۳- مطالعات ومشاہدات [ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۱۰ء]

۲۴- یگانۂ روزگار مولانا عبدالسلام ندوی [ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۱۳ء]

۲۵- قرائے عظام اوران کی علمی ودینی خدمات [ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۱۴ء]

مجموعۂ مضامین ومقالات:

۲۶- دارالمصنّفین کی تاریخی خدمات [خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ: ۲۰۰۲ء]

۲۷- عکس واثر [ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۱۳ء]

۲۸- قد اور سائے [ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۱۹ء]

اشاریہ وکتابیات:

۲۹- اشاریہ ماہنامہ الرشاد اعظم گڑھ [ندوۃ التالیف والترجمہ، جامعۃ الرشاد اعظم

گڑھ،۲۰۰۴ء]

۳۰- کتابیاتِ مجیب [ادبی دائرہ اعظم گڑھ،۲۰۱۴ء]

تجوید وقراءت:

۳۱- اسہل التجوید [طبع اول: مکتبہ نعیمیہ مئو:۱۹۸۶ء-طبع دوم: ادبی دائرہ اعظم گڑھ: ۲۰۰۴ء-طبع سوم: ادبی دائرہ اعظم گڑھ:۲۰۱۷ء]

۳۲- علم الترتیل [دانش بک ڈپو ٹانڈہ:۱۹۹۶ء]

تعارف وتبصرہ:

۳۳- کتابیں-حصہ اول [ادبی دائرہ اعظم گڑھ،۲۰۱۲ء]

۳۴- کتابیں-حصہ دوم [ادبی دائرہ اعظم گڑھ،۲۰۱۳ء]

سفرنامہ:

۳۵- ساحلوں کے شہر میں [طبع اول: ادب کدہ مہراج پور اعظم گڑھ،۲۰۰۶ء-طبع دوم: ادبی دائرہ اعظم گڑھ،۲۰۱۹ء]

تراجم:

۳۶- رحمت عالم (ہندی ترجمہ) [طبع اول: دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، ۲۰۰۹ء-طبع دوم:۲۰۱۳ء-طبع سوم:۲۰۱۷ء-طبع چہارم:۲۰۲۰ء]

۳۷- ہندو کبھی نہ بننا (اردو ترجمہ) [طبع اول: اسلامک بک فاؤنڈیشن دہلی،۲۰۱۰ء-طبع دوم:۲۰۱۷ء]

تدوین وترتیب:

۳۸- اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر- مصنفہ علامہ شبلی نعمانی [دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ،۱۹۹۹ء]

۳۹- موازنۂ انیس و دبیر- مصنفہ علامہ شبلی نعمانی [دار المصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، ۲۰۰۴ء]

۴۰- کاروانِ رفتگاں - مولانا مجیب اللہ ندوی کے وفیاتی مضامین [ندوۃ التالیف والترجمہ جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ، ۲۰۰۸ء]

۴۱- تاریخِ اعظم گڑھ- مصنفہ شاہ افضال اللہ قادری [ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۱۱ء]

۴۲- اسفارِ مجیب - مولانا مجیب اللہ ندوی کے اسفار [ندوۃ التالیف والترجمہ جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ ۲۰۱۴ء]

۴۳- متاعِ رفتگاں ۔مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی کے وفیاتی مضامین [ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۱۵ء]

۴۴- کلیاتِ نشور واحدی، حصہ غزلیات [ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۱۶ء]

۴۵- محبت نامے- مشاہیر کے خطوط بنام ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی [ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۱۷ء]

مذکورۃ الصدر کتابوں میں شاید ہی کوئی ایسی کتاب ہو جس پر تبصرے شائع نہ ہوئے ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کی کتابوں پر اس کثرت سے تبصرے شائع ہوئے ہیں کہ اگر صرف انھی کو جمع کر دیا جائے تو ایک سے زاید ضخیم جلدیں تیار ہو جائیں گی۔

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی صاحب کی کتابوں پر تبصرے کی کثرت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ محض علامہ شبلی سے متعلق ان کی پانچ کتابوں پر ۶۱/ تبصرے شائع ہوئے ہیں جن کو شائستہ ریاض صاحبہ نے جمع کر کے 'ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی بحیثیت شبلی شناس' کے نام سے ۲۰۱۳ء میں شایع کیا ہے۔ ان تبصروں کی تفصیل یہ ہے:

۱- متعلقاتِ شبلی [۲۱/تبصرے]

۲- کتابیاتِ شبلی [۹/تبصرے]

۳- شبلی سخن وروں کی نظر میں [۱۴/تبصرے]

۴- مکتوبات شبلی [۱۱/تبصرے]

۵- آثار شبلی [۶/تبصرے]

ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی صاحب کے مبصرین میں ایک اہم نام ڈاکٹر سفیر اختر صاحب [ولادت: ۱۹۴۷ء] سابق چیف ایڈیٹر ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد کا ہے۔ علم و تحقیق کی دنیا میں ڈاکٹر سفیر اختر صاحب ایک قدآور عالم و محقق کی حیثیت سے معروف اور معتبر شناخت رکھتے ہیں۔انھوں نے پنجاب یونی ورسٹی پاکستان سے ۱۹۶۹ء میں M.A. Pol. Sc ،۱۹۷۰ء میں M.A. History اور ۱۹۷۱ء میں B.Ed کی سند حاصل کی اور ۱۹۸۹ء میں نیویارک یونیورسٹی سے انھیں D. Phil. Politics کی سند تفویض ہوئی۔ ۱۹۷۳ء سے ۱۹۸۱ء تک بحیثیت لیکچرر گورنمنٹ ڈگری کالج مری پاکستان میں خدمات انجام دیں،اس کے بعد بطور اسسٹنٹ پروفیسر ۱۹۸۱ء سے ۲۰۰۰ء تک انٹر نیشنل اسلامک یونی ورسٹی اسلام آباد میں مامور رہے،۲۰۰۰ء سے ۲۰۰۷ء تک اسلامک ری سرچ انسٹی ٹیوٹ میں چیف ایڈیٹر اور پروفیسر کے عہدہ پر متمکن رہے، پھر ۲۰۰۷ء میں سینئر ری سرچ فیلو کی حیثیت سے انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد سے وابستہ ہوئے۔

ڈاکٹر سفیر اختر اور ڈاکٹر الیاس الاعظمی کے مابین قدر مشترک مطالعۂ شبلی ہے۔ ڈاکٹر سفیر اختر ایک معتبر اور بڑے شبلی شناس ہیں۔ وہ معروف عاشق شبلی حافظ نذر احمد کے دست گرفتوں میں سے ہیں اور انھیں کی خواہش پر ۱۹۸۱ء میں 'کتاب نامہ شبلی' مرتب کی، جس کے بارے میں ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کا خیال ہے کہ 'اس سے شبلی شناسی کا کارواں تیز گام ہوا' مزید اس کتاب کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ 'مجھے کتابیاتِ شبلی مرتب کرنے میں [اس سے] بڑی مدد ملی۔' [شبلی خودنوشتوں میں: ۲۶۷]

ڈاکٹر سفیر اختر صاحب کے مطالعۂ شبلی کی وسعت کا اندازہ 'دارالمصنّفین کی تاریخی خدمات'، 'متعلقات شبلی'، 'کتابیات شبلی'، 'مکتوبات شبلی'، 'شبلی شناسی کے سو سال' پر لکھے ان کے تفصیلی تبصروں سے بھی کیا جا سکتا ہے جو زیر نظر کتاب میں شامل ہیں۔ انھوں نے حیات و جہات شبلی کا مطالعہ کرنے کے بعد واضح لفظوں میں علامہ شبلی سے متعلق اپنا نظریہ بیان کیا کہ:

> ''مولانا شبلی نعمانی [۱۸۵۷ء - ۱۹۱۴ء] ان عہد آفریں شخصیات میں سے ہیں جن کے فکر و عمل نے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کو گہرے طور پر متاثر کیا۔ ان کی ادبی و تنقیدی کاوشوں سے اردو اور فارسی زبانوں کے ادب میں گراں قدر اضافہ ہوا۔ ان کی سوانحی اور تاریخی تحریروں نے فکر و فہم کو نیا رخ دیا اور ان کی علمی و تعلیمی تحریک ایک مدرسۂ فکر بن گئی۔'' [شبلی خودنوشتوں میں: ۲۶۸]

ڈاکٹر سفیر اختر صاحب کی علمی و تحقیقی فتوحات انتہائی وقیع ہیں، اب تک مختلف اہم موضوعات پر ان کی ۲۰/ کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں چند کے نام یہ ہیں: 'مسعود عالم ندوی: سوانح و مکتوبات'، 'تذکرہ مصنّفین درس نظامی'، 'اقبال سید سلیمان ندوی کی نظر میں'، 'تذکرہ علماے پنجاب'، 'کتاب نامہ شبلی'، 'ادب اور ادیب: سید مودودی کی نظر میں'، 'سید ابوالاعلی مودودی اور ان کا سرمایۂ قلم'، 'اشاریہ ماہنامہ الرحیم'، 'اٹک، راول پنڈی اور ہری پور کے چند کتب خانوں کے اہم خطی نسخے'۔

اس کے علاوہ اردو کے متعدد ادبی و علمی رسائل سے مدیر، نائب مدیر یا مجلس ادارت کے رکن کی حیثیت سے وابستہ رہے ہیں جن میں سرفہرست 'جہات الاسلام' پنجاب یونی ورسٹی، لاہور [رکن مجلس ادارت] 'پیام' اخوت اکیڈمی اسلام آباد [رکن مجلس ادارت]

'نقطۂ نظر' اسلام آباد [مدیر] سہ ماہی 'فکر ونظر' اسلام آباد [رکن مجلس ادارت] 'کتاب شناسی' اسلام آباد [مدیر] 'اخبار اردو' اسلام آباد [نائب مدیر] 'کوہ و دمن' گورنمنٹ کالج مری [ایڈیٹر اِن چیف] ہیں۔

مذکورہ رسائل میں ان کے علمی وادبی مقالات کے ساتھ کتابوں پر ان کے وقیع تبصرے بھی طبع ہوتے رہتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی صاحب کی ۸/ کتابوں پر انھوں نے ۹/ سیر حاصل تبصرے کیے ہیں۔ ['شاہ معین الدین احمد ندوی: حیات وخدمات' پر دو تبصرے لکھے ہیں، ایک ۲۰۰۸ء میں 'جہات الاسلام' لاہور میں طبع ہوا تھا اور دوسرا سہ ماہی 'فکر ونظر' اسلام آباد میں اشاعت پذیر ہوا تھا۔] اِس کتاب میں ڈاکٹر سفیر اختر صاحب کے انھیں تبصروں کو جمع کیا گیا ہے۔ مزید 'الرشاد' اعظم گڑھ میں شائع شدہ مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب کے وفیاتی مضامین کی ترتیب تدوین بھی ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے کی ہے جو 'کاروانِ رفتگاں' کے نام سے شائع ہوئے ہیں۔ اس پر بھی سہ ماہی 'فکر ونظر' اسلام آباد میں ڈاکٹر سفیر اختر کے قلم سے سیر حاصل تبصرہ نکلا ہے، اسے بھی ایک گونہ مناسبت کی وجہ سے کتاب میں بطور ضمیمہ شامل کر دیا گیا ہے۔

ڈاکٹر سفیر اختر صاحب تبصرہ برائے تبصرہ نہیں لکھتے ہیں بلکہ ان کے تبصرے پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بنظر تعمق بالاستیعاب کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں اور اس کے بعد ہی تبصرہ کے لیے قلم اٹھاتے ہیں۔ ان کے تبصرے کا انداز یہ ہوتا ہے کہ وہ پہلے کتاب کے موضوع کا ہلکا سا تعارف یا کتاب اگر کسی شخصیت پر ہے تو شخصیت کا مختصر تعارف کراتے ہیں، اس کے بعد کتاب کے مشمولات کا اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، پھر متوازن لب ولہجہ میں کتاب کی خوبی وخامی اور اس کے اغلاط کی نشان دہی کرتے ہیں۔ پیش رو بعض مشاہیر تبصرہ نگاروں کی طرح وہ اپنی علمیت وادبیت کا سکہ جمانے کی کوشش نہیں کرتے اور

نہ ہی 'تصویر کے دوسرے رخ' کے عنوان سے خردہ گیری کر کے صاحب کتاب کی دانستہ یا نادانستہ سبکی کرنے کی کوشش کرتے ہیں، بلکہ ان کی حرف گیری کا انداز اتنا پاکیزہ، فطری اور ہمدردانہ ہوتا ہے کہ متعلقہ شخص بھی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ عموماً غلطی کی نشان دہی کرنے سے پہلے وہ خود صاحب کتاب کی طرف سے ایک اچھا سا قابل قبول عذر پیش کرتے ہیں اور پھر اس وضاحت اور جذبے کے ساتھ اغلاط کی نشان دہی کرتے ہیں کہ کتاب کے اگلے ایڈیشن میں اس کی تصحیح کر لی جائے۔ اس طرز و انداز سے کتاب پر دیانت دارانہ تبصرہ بھی ہو جاتا ہے اور قاری کے ذہن میں صاحبِ کتاب کے تعلق سے کوئی منفی خیال بھی نہیں آنے پاتا۔ اگر غور کیا جائے تو یہ ایک ایسی خوبی ہے جو ہزاروں خوبیوں پر بھاری ہے جس کا وجود علمی دنیا میں ناپید تو نہیں مگر نادر یقیناً ہے۔

اس کتاب میں جمع کیے گئے تبصرے 'فکر و نظر' اسلام آباد اور 'جہات الاسلام' لاہور کے اوراق سے نقل کیے گئے ہیں اور اس غرض سے شائع کیے جا رہے ہیں کہ ان سے اندازہ ہو سکے کہ سرزمین اعظم گڑھ سے طلوع ہونے والے آفتاب کی شعاعیں کس قدر تاب ناک اور آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی ہیں اور اس کے بارے میں ایک نام ور محقق اور دیدہ ور مبصر کی کیا رائے ہے! اور یہ کہ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی صاحب کی علمی تحقیقات و تصنیفات کس پایہ کی ہیں اور معتبر اہل علم کے درمیان ان کی کیا حیثیت ہے۔ چوں کہ یہ تمام تبصرے ہندستان سے باہر شائع ہوئے ہیں، اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ ہندستان میں ان کی طباعت کا اہتمام نشر مکرر کے زمرے میں نہیں آئے گا، بلکہ یہاں کے بیشتر قارئین کے لیے یہ ایک نئی چیز ہوگی اور ڈاکٹر صاحب کی تصنیفی زندگی اور ان کی شبلی شناسی کی بہتر تفہیم کا ذریعہ بنیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ علمی و تحقیقی حلقوں میں اس کا خیر مقدم کیا جائے گا۔

کتاب میں تبصروں کی ترتیب سنینِ طباعت کے اعتبار سے رکھی گئی ہے، ان کے متن میں کسی طرح کی ترمیم و تنسیخ کو روا نہیں رکھا گیا ہے، چاہے صاحبِ کتاب کے

متعلق تنقیص کا پہلو ہی کیوں نہ نکلتا ہو، اوران کے حواشی کو بھی من وعن باقی رکھا گیا ہے۔ اخیر میں اشخاص، مقامات اور کتابوں کا اشاریہ بھی لگا دیا گیا ہے، تا کہ کتاب سے استفادہ آسان تر ہو جائے۔

کتاب کی پروف خوانی میں برادرم مولانا محمد اشہد اعظمی نے بے لوث تعاون کیا ہے اور بڑی محنت سے پروف دیکھا ہے، ان کی اس محنت پر ہم ان کے شکر گزار ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالی ان کے اس جذبے کو قائم ودائم رکھے اور اس کتاب کو ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی کی تصنیفی زندگی اوران کی شبلی شناسی کو سمجھنے کا وسیلہ بنائے۔ آمین

محمد عرفات اعجاز اعظمی

۲۹/نومبر ۲۰۲۰ء

دارالمصنّفین کی تاریخی خدمات

[۲۰۰۲ء]

دارالمصنّفین-اعظم گڑھ ۹۰ برس سے علمی وفکری خدمات انجام دے رہا ہے۔ اس کی خدمات بجا طور پر جامعاتی تحقیق کا موضوع ہیں۔ڈاکٹر خورشید نعمانی نے اس کی ادبی خدمات کو اجاگر کیا ہے(’دارالمصنّفین کی ادبی خدمات‘، بمبئ: رحیمی پریس، ۱۹۷۷ء) اب اس کے پیش کردہ تاریخی وسوانحی کاوشوں کا تعارف وتبصرہ اور جائزہ وتجزیہ کو جناب محمد الیاس اعظمی نے بطور موضوع چنا ہے۔ یہ ثانی الذکر جائزہ جناب مولف کے ”ابتدایئے“ اور ناشر کے ”حرف آغاز“ کے علاوہ سات ابواب پر مشتمل ہے۔

پہلے باب-”اردو میں تاریخ نگاری کی روایت“-میں ۷۵-۱۷۷۴ء میں لکھی گئی اولیں اردو کی تاریخی کتاب ”قصہ واحوال روہیلہ“ (ا) سے لے کر علامہ شبلی نعمانی (م: ۱۹۱۴ء) کے نوبر شیریں ”المامون“ (اشاعت: ۱۸۸۷ء) تک، اردو میں ایک صدی سے کچھ زائد عرصے کی تاریخ نگاری کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ابتدائی انفرادی کاوشوں کے بعد فورٹ ولیم کالج (۱۸۰۰ء-۱۸۵۴ء)، دہلی کالج اور اس کی ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی (تاسیس: ۱۸۷۲ء) اور سائنٹفک سوسائٹی (تاسیس: ۱۸۶۲ء) کی کاوشوں کے ساتھ مختلف تاریخ نگاروں اور بالخصوص سرسید احمد خان کی تاریخی نگارشات کا تعارف لکھا گیا ہے۔ دوسرے باب-”علامہ شبلی کے تاریخی کارنامے“-میں علامہ شبلی نعمانی کی تاریخ نگاری کے مقاصد، یورپی اہل قلم کے بارے میں ان کے رویے، ان کے تصور تاریخ، ان کی تاریخی تالیفات ومقالات (’مسلمانوں کی گزشتہ تعلیم‘، ’المامون‘، ’الفاروق‘، ’اورنگ زیب عالم

گیر پر ایک نظر'، 'سیرۃ النبی، جلد اول اور جلد دوم'، 'تراجم'، 'کتب خانہ اسکندریہ'، 'اسلامی حکومتیں اور شفاخانے'، 'ہندوستان میں اسلامی حکومت کے تمدن کا اثر'، 'الجزیہ'، 'حقوق الذمیین'، ہمایوں نامہ، مآثر رحیمی'، 'جہانگیراورتزک جہانگیر') اوران کی شاعری پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ تیسرے، چوتھے اور پانچویں ابواب میں بالترتیب مولانا سید سلیمان ندوی (م: ۱۹۹۳ء)، مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی (م:۱۹۷۴ء) اور سید صباح الدین عبدالرحمٰن (م:۱۹۸۷ء) کے، جو یکے بعد دیگرے دارالمصنّفین کے سربراہ رہے، مختصر حالات زندگی اوران کی کاوشوں کا ذکر ہے۔ چھٹے باب میں دیگر تاریخ نگار رفقائے دارالمصنّفین-مولانا عبدالسلام ندوی (م:۱۹۵۶ء)، سید ابوظفر ندوی (م:۱۹۵۸ء)، مولانا ابوالحسنات ندوی (م:۱۹۲۴ء)، حاجی معین الدین ندوی (م:۱۹۴۱ء)، مولانا سعید انصاری (۱۹۶۲ء)، سید نجیب اشرف ندوی (م:۱۹۶۸ء)، سید ریاست علی ندوی (م: ۱۹۷۶ء)، ڈاکٹر محمد عزیر، مولانا عبدالسلام قدوائی (م:۱۹۷۹ء)، مولانا ضیاءالدین اصلاحی اور حافظ محمد عمیر الصدیق ندوی دریابادی- کی کاوشوں کا مختصر اور جامع تعارف پیش کیا گیا ہے۔ ساتویں باب میں دارالمصنّفین کے تاریخی کارناموں کا مجموعی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس میں سیرۃ النبی، سیر الصحابہ، تابعین و تبع تابعین، ناموران اسلام، تاریخ اسلام اور تاریخ ہند کے سلسلہ ہائے تالیفات، نیز ''معارف'' (اجرا:۱۹۱۶ء) میں شائع شدہ درجنوں تاریخی مقالات کے ذکر کے ساتھ یہ نتیجہ نکالا گیا ہے: ''دارالمصنّفین کے تمام تاریخی کارناموں کے تفصیلی مطالعہ و جائزہ سے یہ صاف طور سے ثابت ہوتا ہے کہ دارالمصنّفین نے تاریخ کی جس قدر خدمت انجام دی، برصغیر میں کسی ایک ادارے کی جانب سے اس کی اور کوئی مثال نہیں ملتی، اور اگر بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو شاید عالم اسلام کا کوئی علمی و تحقیقی ادارہ اس کی مثال نہ پیش کر سکے'' (ص ۳۶۲)۔

جناب محمد الیاس اعظمی کو دبستان شبلی اور دارالمصنّفین سے بجا طور پر محبت ہے، اور حقیقت یہ ہے اردو خواں طبقے میں مطالعۂ تاریخ کا ذوق پیدا کرنے، نیز مسلم تاریخ کے بارے میں عمومی غلط فہمیوں کو دور کرنے میں رفقائے دارالمصنّفین کی تحریروں نے جہاں بنیادی کردار ادا کیا ہے، وہیں انھوں نے تاریخ اسلام کے بعض ادوار اور موضوعات پر اولیں و قیع کاوشیں پیش کی ہیں۔ ''سیرۃ النبی'' دارالمصنّفین کی مطبوعات میں سرفہرست ہے۔ علامہ شبلی نعمانی نے جب اس کی داغ بیل ڈالی تو ان کے پیش نظر ایک ایسی کتاب کا ہیولیٰ تھا جس کی توقع صدیوں میں ہوتی ہے، اور جو صدیوں تک زندہ رہتی ہے۔ اسے علامہ شبلی کی ''بلند نظری'' بھی سمجھا جا سکتا ہے، مگر کم از کم ایک صدی گزر جانے، متعدد ان متون کے شائع ہو جانے جو علامہ شبلی کو دستیاب نہ تھے، اور ''سیرۃ النبی'' کو ہر زاویے اور ہر آئینے سے جانچنے کے باوجود اس کی اہمیت ختم نہیں ہوئی۔ ''سیرۃ النبی'' کے مقدمے میں علامہ شبلی نے اپنے پیش نظر منصوبے کی تفصیل یوں دی ہے:

> اس کتاب کے پانچ حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں عرب کے مختصر حالات، کعبہ کی تاریخ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے لے کر وفات تک عام حالات اور واقعات غزوات ہیں۔ اسی حصہ کے دوسرے باب میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی اخلاق و عادات کی تفصیل ہے۔ آل و اولاد اور ازواج مطہرات کے حالات بھی اسی باب میں ہیں۔
>
> دوسرا حصہ منصب نبوت سے متعلق ہے۔ نبوت کا فرض تعلیمِ عقائد، اوامر و نواہی، اصلاح اعمال اور اخلاق ہے۔ اس بنا پر منصب نبوت کے کاموں کی تفصیل اس حصہ میں کی گئی ہے۔ اس حصہ میں فرائض خمسہ اور تمام اوامر و نواہی کی ابتدا اور تدریجی تغیرات کی مفصل

تاریخ اور ان کے مصالح اور حکم اور دیگر مذاہب سے ان کا مقابلہ وموازنہ ہے۔ اسی حصہ میں نہایت تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ عرب کے عقائد اور اخلاق و عادات پہلے کیا تھے اور ان میں کیا کیا اصلاحیں عمل میں آئیں، نیز یہ کہ تمام عالم کی اصلاح کے لیے اسلام نے کیا قانون مرتب کیا، اور کیوں کر وہ تمام عالم کے لیے اور ہر زمانہ کے لیے کافی ہوسکتا ہے۔

تیسرے حصہ میں قرآن مجید کی تاریخ، وجوہ اعجاز اور حقائق و اسرار سے بحث ہے۔

چوتھے حصہ میں معجزات کی تفصیل ہے۔ قدیم سیرت کی کتابوں میں معجزات کا الگ باب باندھتے ہیں، لیکن آج کل تو اس کو بالکل مستقل حیثیت سے لکھنے کی ضرورت ہے، کیوں کہ معجزات کے ساتھ اصل معجزہ کی حقیقت اور امکان سے بحث کرنے کی ضرورت پیش آ گئی ہے، البتہ جن معجزات کی تاریخ اور سنہ متعین ہے، مثلاً معراج یا تکثیر طعام وغیرہ، ان کو اس سنہ کے واقعات میں لکھ دیا ہے۔

پانچواں حصہ خاص یورپین تصنیفات کے متعلق ہے، یعنی یورپ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مذہب اسلام کے متعلق کیا لکھا ہے؟ ان کا سرمایۂ معلومات کیا ہے؟ تاریخی واقعات میں وہ کیوں کر غلطیاں کرتے ہیں؟ مسائل اسلام کے سمجھنے میں ان سے کیا کیا غلطیاں ہوئیں؟ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات یا مسائل اسلام پر جو نکتہ چینیاں کی ہیں، ان کے جوابات۔ (۲)

علامہ شبلی نے اپنی علمی معاونت کے لیے جن باصلاحیت اہل علم کو یک جا کیا تھا، ان میں مولانا سید سلیمان ندوی بھی شامل تھے۔ سید صاحب نے ''سیرۃ النبی'' کے موعودہ پہلے حصے کے لیے جب عربوں کی ذیلی تقسیم، ان کے شہروں اور آبادیوں پر معلومات کی

چھان پھٹک شروع کی تو وہ پھیل کر ''ارض القرآن'' (اشاعت: ۱۹۱۵ء) کی شکل اختیار کر گئی، جو اپنے موضوع پر تاحال منفرد کتاب ہے۔ جب سید صاحب نے اس موضوع پر قلم اٹھایا تو عرب دنیا میں اثریات نے اتنی ترقی نہ کی تھی، اور اس خطے میں جو بعد ازاں سعودی عرب قرار پایا، اثری تحقیقات کے لیے سرے سے کوئی کوشش ہی نہ ہوئی تھی، مگر آج صورت بہت بدل گئی ہے، اثری تحقیقات کے نتیجے میں نئی معلومات سامنے آ گئی ہیں اور وہ موضوع جس پر سید صاحب نے پہلی مرتبہ اینٹ رکھی تھی، کسی باہمت صاحبِ علم کو دعوت دے رہا ہے۔

سید صاحب نے اپنے مرحوم استاد کے ''منصوبۂ سیرت'' میں رنگ بھرنے کے لیے چار مکمل جلدیں اور ایک زیرِ تسوید جلد یادگار چھوڑی ہے۔ ان جلدوں میں دلائل و معجزات، خصائص نبوت، عقائد و عبادات، اخلاق اور معاملات پر تعلیماتِ نبوی کی روشنی میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ بعض اہل قلم نے (جن میں سے ایک دو نمائندہ بزرگوں کا جناب محمد الیاس اعظمی نے نام لے کر ذکر کیا ہے) سید صاحب کے موخر الذکر کاوشوں کو سیرت کے موضوع سے الگ قرار دیا ہے۔ اگرچہ جناب اعظمی نے ان کے اعتراض کو مسترد کر دیا ہے، مگر پس منظر کے اختلاف کے ساتھ اسے سرے سے مسترد کرنا بھی چنداں درست نہیں۔ اسلاف میں بعض بزرگوں، مثلاً علامہ ابن قیم (م: ۱۳۵۰ء) نے ''**زاد المعاد الی هدی خیر العباد**'' میں تعلیماتِ نبوی کو سیرت سے جدا نہیں کیا، مگر بیسویں صدی کے تصورِ سیرت میں اس قدر پھیلی ہوئی تعلیمات کو سیرت کا جزو بھی نہیں سمجھا گیا۔

سیرت نبوی کے موضوع پر سید صاحب کے ''خطبات مدراس'' تو خاصے کی چیز ہے، اور ''رحمت عالم''، کم تعلیم یافتہ بڑوں کے لیے لکھی گئی ابتدائی کاوش ہے۔ دارالمصنّفین کے علمی کاموں میں علامہ شبلی نعمانی کی تحریروں کی اشاعت کو نمایاں مقام حاصل ہے، اور ان کی نوک پلک سنوارنے میں سید صاحب اور ان کے ساتھیوں نے بہت محنت کی ہے، مگر

یہ کام اصلاً ہے دارالمصنّفین کی تاسیس (۱۹۱۶ء) سے پہلے کا، اس لیے اسے نظر انداز کرتے ہوئے سید صاحب، ان کے ساتھیوں اور ان کے جانشینوں کا کام ہی دراصل دارالمصنّفین کا کارنامہ ہے۔ ''عرب و ہند کے تعلقات'' اور ''عربوں کی جہاز رانی'' پر اردو اور انگریزی میں آج بہت کچھ دستیاب ہے، تاہم یہ وہ موضوع ہیں جن پر برصغیر میں سید صاحب نے بطور متقدم قلم اٹھایا تھا، بعد میں مولانا ضیاء الدین اصلاحی نے پندرہویں صدی عیسوی تک کے معروف عرب سیاحوں، جغرافیہ نویسوں اور مورخین کی تالیفات سے ان حصوں کو اردو میں ''ہندوستان: عربوں کی نظر میں'' (اشاعت: حصہ اول ۱۹۵۹ء، حصہ دوم ۱۹۶۲ء) کے نام سے منتقل کر دیا، یوں اصلاحی صاحب ان مآخذ تک تاریخ برصغیر کے طلبہ کی رسائی آسان کر دی، جن پر سید صاحب نے ''عرب و ہند کے تعلقات'' کی بنیاد رکھی تھی۔ سید صاحب کی تالیف ''عربوں کی جہاز رانی'' کی دوسری اشاعت (۱۹۵۸ء) میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا ''استدراک'' شامل کیا گیا ہے، اور اس کتاب کو سید صباح الدین عبدالرحمٰن نے انگیریزی میں The Arab Navigation کے نام سے منتقل کیا ہے، تاہم دارالمصنّفین کے اہل قلم کو اس کتاب کی نئی اشاعت کے لیے مغربی اہل علم کی گزشتہ ستر اسّی برس میں سامنے آنے والی نگارشات کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

سید صاحب کی تالیفات میں ''سیرت عائشہؓ'' بھی ایک بے مثال کتاب ہے جو اہل علم سے تحقیق و تخریج کے ساتھ اچھے اڈیشن کا تقاضا کرتی ہے۔

سید صاحب کے بعد دارالمصنّفین میں تحقیق و تدقیق کے حوالے سے سید صباح الدین عبدالرحمٰن نے نئی راہیں تلاش کیں، اور برصغیر کی مسلم تاریخ پر اس طرح نظر ڈالی کہ یہ محض جنگ و جدل کی تاریخ نہیں، بلکہ اس میں فکر و دانش، تہذیب و معاشرت اور علوم و فنون کی ترقیاں بھی شامل ہیں۔ ان کی تالیفات – 'بزم تیموریہ'، 'بزم مملوکیہ'، 'بزم صوفیہ'، 'ہندوستان کے عہد وسطی کی ایک جھلک'، 'ہندوستان: امیر خسرو کی نظر میں' وغیرہ – سے یہی

پہلو اجاگر ہوتا ہے۔مولانا عبدالسلام ندوی، حاجی معین الدین احمد ندوی، شاہ معین الدین احمد ندوی، مولانا سعید انصاری وغیرہ نے صحابہ کرام، تابعین، نامورانِ اسلام اور عرب دنیا میں مسلمانوں کی ریاست و سیاست کو موضوعِ تحقیق بناتے ہوئے ایسی متعدد کتابیں پیش کیں جن سے اردو کا دامن مالا مال ہوا۔ان بزرگوں کے سامنے عامۃ المسلمین رہے ہیں، لہٰذا ان کے ہاں دقت نظر کا وہ معیار نہیں جو سید صاحب یا ان کے استاذ علامہ شبلی کے پیش نظر تھا۔

جناب محمد الیاس اعظمی نے دارالمصنّفین کے قلم کاروں کے مطالعہ تاریخ کو 'بطور کارنامہ' پیش کیا ہے، جس کا ایک حصہ واقعتاً کارنامہ کہلانے کا مصداق ہے، (مندرجہ بالا سطروں میں بھی اس جانب اشارے کیے گئے ہیں) مگر بعض موضوعات ایسے بھی ہیں جن پر دوسرے معاصر اداروں اور افراد نے بھی قلم اٹھایا ہے، اور جہاں بعض پہلوؤں سے دارالمصنّفین کا پلہ بھاری ہے، وہیں کمزوریاں بھی موجود ہیں۔ چوں کہ جناب اعظمی نے دارالمصنّفین کی خدمات کو اجاگر کرنے تک اپنی مساعی کو محدود رکھا ہے، اور بیسویں صدی میں عالمی سطح پر، یا برصغیر ہی کی سطح پر مسلم تاریخ نگاری کا تقابلی مطالعہ نہیں کیا، اس لیے اگر یہ پہلو سامنے نہیں آسکا تو چنداں قابل گرفت بھی نہیں، تاہم ہماری خواہش ہے کہ عہد حاضر کے مسلم مورخین کا تنقیدی نظر کے ساتھ اپنے اسلاف کی تاریخ نگاری کو دیکھتے ہوئے جہاں اس سے روشنی حاصل کریں، وہیں اس میں موجود خلا پُر کریں اور اسلاف کے کارناموں کی تکمیل (اور حسب ضرورت تصحیح) بھی کریں، اور اس سلسلے میں ہماری توقعات جناب اعظمی سے بھی وابستہ ہیں۔

''دارالمصنّفین کی تاریخی خدمات'' کی ورق گردانی سے جہاں ہماری معلومات

میں اضافہ ہوا ہے، وہیں دوران مطالعہ میں محسوس ہوا کہ بعض جزوی معلومات درست نہیں، یا سہو قلم کے نتیجے میں کتاب میں غلطیاں درآئی ہیں۔اس توقع کے ساتھ کہ کتاب کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوگا، ان تسامحات کی نشان دہی کی جاتی ہے:

☆ کتاب کے اولیں باب ''اردو میں تاریخ نگاری کی روایت'' کے لیے جناب مولف نے اولاً ثانوی مآخذ سے معلومات اخذ کی ہیں، ثانیاً اس باب میں شامل مباحث پر جدید تحقیقات ان کی نظر سے نہیں گزر سکیں۔مثال کے طور پر دہلی کالج کی تاریخی خدمات کے سلسلے میں انھوں نے بابائے اردو مولوی عبدالحق کی تالیف ''مرحوم دہلی کالج'' (اشاعت:۱۹۴۵ء) اور خواجہ احمد فاروقی کے مرتبہ ''دلی کالج میگزین'' کے '' قدیم کالج نمبر'' (تالیف:۱۹۵۳ء) سے استفادہ کیا ہے، مگر بنارس ہندو یونیورسٹی میں ڈاکٹریٹ کے لیے پیش کیا گیا جناب سمیع اللہ کا مقالہ ''انیسویں صدی میں اردو کے تصنیفی ادارے'' (فیض آباد: اکتوبر ۱۹۸۸ء) ان کے پیش نظر نہیں رہا۔

جناب مولف نے دہلی کالج کے مترجمین کی ترجمہ کردہ گیارہ تاریخی کتابوں کے بارے میں کچھ بنیادی معلومات جمع کی ہیں، اور ان میں دس مزید کتابوں کے محض نام لکھنے پر اکتفا کیا ہے، ''جن کی (انھیں) تفصیلات دستیاب نہ ہوسکیں'' (ص ۲۶)۔اول الذکر گیارہ کتابوں میں انھوں نے منشی پیارے لال آشوب (م:۱۹۱۴ء) کی کتابیں ''دربار قیصری'' اور ''قصص ہند'' بھی شامل کی ہیں۔بلاشبہ آشوب دہلی کالج سے وابستہ رہے تھے، مگر مذکورہ دونوں کتابیں اس دور کی یادگار ہیں جب وہ دہلی کالج سے الگ ہوکر ۱۸۶۹ء میں لاہور آگئے تھے۔

☆ جناب مولف نے انیسویں صدی کے ان مورخین کی کاوشوں کا ذکر کیا ہے جو کسی ادارے سے وابستہ نہ تھے، البتہ اپنے ذاتی ذوق تاریخ نگاری کے تحت انھوں نے اردو کے خزانے میں تاریخی ادب کا اضافہ کیا ہے۔''اودھ کے تاریخ نگار'' (لکھنؤ: دانش

محل،۱۹۹۱ء) کی سند پر انھوں نے مولوی خیر الدین محمد الہ آبادی کی تالیف ''عبرت نامہ'' اور سید غلام علی نقوی کی تاریخ ''عماد السعادات'' کو اردو کتابوں کے طور پر پیش کرتے ہوئے ان کا تعارف لکھا ہے(ص۳۰)۔

'عبرت نامہ'اور'عماد السعادات' دونوں کتابیں فارسی میں لکھی گئی تھیں (۳)،اور ثانی الذکر پہلی بار ۱۸۶۴ء میں طبع ہوئی تھی۔'عبرت نامہ' کے بارے اطلاع دی گئی ہے کہ یہ''۱۸۰۶ء میں مکمل ہوئی''،مگر سی-اے-سٹوری کے بیان کے مطابق اس میں ۱۷۹۱ء تک کے حالات کا تذکرہ ہے۔اسی طرح 'عماد السعادات' کے ضمن میں سید غلام علی نقوی کی دوسری کتاب ''نگار نامۂ ہندی'' کا تذکرہ کیا گیا ہے(ص۳۰)،وہ بھی اردو میں نہیں، بلکہ فارسی میں تالیف ہوئی تھی (۴)۔

اسی طرح آگرہ کے آثار پر لکھی گئی دو کتابوں ''تفریح العمارات''اور''احوال شہر آگرہ'' کو جناب مولف نے شریف حسین قاسمی کے ''مقدمہ سیر المنازل'' (دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ،۱۹۸۳ء) کے حوالے سے اردو کتابوں میں شمار کیا ہے،مگر یہ دونوں بھی فارسی تالیفات ہیں(۵)۔

☆ ۱۸۵۷ء کے انقلاب اور اس کی تاریخ کے حوالے سے لکھا ہے:''اس جدوجہد آزادی کے متعلق اردو میں متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں،مثلاً فضل حق خیرآباد کی ''باغی ہندوستان''اور پنڈت سندر لال کی کتاب''سن ستاون''وغیرہ(ص۳۴)۔واضح رہے کہ مولانا فضل حق خیرآبادی (م:۱۸۶۱ء) نے اپنی یادداشتیں عربی زبان میں لکھی تھیں جنھیں کوئی نام نہ دیا تھا۔مولوی عبدالشاہد خان شروانی نے اب انھیں اردو میں منتقل کیا،اور مولانا فضل حق خیرآبادی کی سوانح حیات کے ساتھ مرتب کیا تو ان یادداشتوں سمیت کتاب کو ''الثورة الهندية-باغی ہندوستان'' کا نام دیا(۶)۔

سرسید احمد خان کی تاریخ نگاری کے سلسلے میں بتایا گیا ہے کہ انھوں نے ''گبن

کی کتاب 'زوال سلطنت روم' اور ایلیٹ کی 'تاریخ ہند' اور بعض دوسرے مورخین کی کتابوں کا ترجمہ کرا کے شائع کیا ہے'' (ص ۳۸)۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سرسید احمد خان نے گبن کی کتاب کا ترجمہ کرایا تھا، جو علامہ شبلی نعمانی کے بھی زیر مطالعہ رہا،مگر کیا یہ ترجمہ کبھی اشاعت پذیر ہوا تھا؟اگر یہ شائع ہوا ہے تو اسے انیسویں صدی کی تاریخی کتب میں مذکور ہونا چاہیے تھا، یہی کیفیت ایلیٹ کے 'تاریخ ہند' کے ترجمے کی ہے۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض مصنّفین ،مثلاً گاڈ فرے ہگنز کی تالیف ''اپالوجی فار محمدؐ'' کا ترجمہ سرسید احمد خان کے ایما پر مولانا محمد احسن نانوتوی (م:۱۸۹۴ء) نے ''حمایت الاسلام'' کے نام سے کیا تھا، اور اس کی شاعت کے جملہ مصارف سرسید نے خود برداشت کیے تھے۔اگر مولف اس اجمال کو ذرا کھول کر بیان کر دیتے تو مفید رہتا۔

☆ انیسوی صدی میں جن اداروں نے اردو تاریخ نگاری کو فروغ دیا،ان میں فورٹ ولیم کالج کلکتہ،مرحوم دہلی کالج اور سائنٹفک سوسائٹی-علی گڑھ کے ساتھ پنجاب بک ڈپو-لاہور اور پنجاب یونیورسٹی کی خدمات بھی اہم ہیں،مگر آخرالذکر دونوں اداروں کی کتب کا تذکرہ نہیں ہو سکا۔

☆ سائنٹفک سوسائٹی-علی گڑھ کی ''چند تاریخی مطبوعات'' میں ''تزک جہانگیری'' اور ''دیباچہ تاریخ فیروز شاہی'' کو شامل کیا گیا ہے (ص ۴۲)۔ڈاکٹر سمیع اللہ کی تحقیق و تفحص کے مطابق سائنٹفک سوسائٹی نے صرف پندرہ کتابیں شائع کی تھیں،جن میں نہ ''تزک جہانگیری'' شامل ہے اور نہ ''دیباچہ تاریخ فیروز شاہی'' ہی (۷)۔

☆ کتاب کے دوسرے باب میں ''الفاروق'' کے انگریزی تراجم کے حوالے سے لکھا گیا ہے:

> انگریزی میں اس کے دو ترجمے ہوئے، پہلا ترجمہ مولانا ظفر علی خان نے کیا جسے شیخ محمد اشرف تاجر کتب اسلامیہ-لاہور نے ۱۹۵۶ء

میں شائع کیا۔ بعد میں اسے عماد پبلی کیشن-دہلی نے شائع کیا۔ دوسرا
ترجمہ محمد سلیم نے کیا جسے محمد اشرف ہی نے لاہور سے شائع کیا۔ اب تک
اس کے دو ایڈیشن نکل چکے ہیں (ص۱۱)۔

اس اطلاع کا ماخذ جناب محمد ضیاء الدین انصاری کا مرتبہ اشاریہ ''جہان شبلی'' ہے(۸)۔

حقیقت یہ ہے کہ ''الفاروق'' کا صرف ایک ہی کامل ترجمہ ہے جس کا حصہ اول مولانا ظفر علی خان کی کاوش کا نتیجہ ہے، اوراس کے ناشر شیخ محمد اشرف نے ''الفاروق'' کے ترجمے کی تکمیل کے لیے دوسرے حصے کا ترجمہ محمد سلیم سے کرایا۔

☆ سید ابوظفر ندوی کی تالیفات کے ضمن میں ان کی ایک کتاب ''تاریخ بوہرہ'' کے بارے میں سید صباح الدین عبدالرحمٰن کے حوالے سے لکھا گیا ہے:

> احمد آباد اور جونا گڑھ کے زمانۂ قیام میں مولانا ابوظفر ندوی کو بوہروں کی تاریخ سے بڑی دلچسپی پیدا ہوگئی تھی، چنانچہ بوہروں کے بعض اکابر کی فرمائش پر اس فرقہ کی ایک تاریخ لکھی، لیکن جب وہ شائع ہوتی تو بعض حلقوں میں اس کے چند مشمولات پر اعتراض ہوا جس کی وجہ سے اس کی اشاعت روک دی گئی (ص۳۱۵)۔

کیا ''تاریخ بوہرہ'' کے نام سے سید ابوظفر کی کوئی کتاب شائع ہوئی یا نہیں؟ جناب اعظمی نے سید صباح الدین عبدالرحمٰن کی بیان کردہ روایت سے نام اخذ کیا ہے، تاہم سید ابوظفر ندوی کی ایک کتاب ''**عقد الجواهر فی تاریخ البواهر**'' (تواریخ داؤدی بوہرہ) (کراچی: بہ سعی واہتمام معز میاں بی-اے اجینی ایڈوکیٹ، س-ن) کتب خانوں میں دستیاب ہے۔

☆ سید ابوظفر ندوی کی تالیفات کے ضمن میں لکھا ہے کہ ''انھوں نے تاریخ سندھ،

مختصر تاریخ ہند اور تاریخ خاندان غزنہ جیسی معرکۃ الآرا کتابیں لکھیں'' (۳۱۲)، مگر جس ''تاریخ خاندان غزنہ'' کو معرکۃ الآرا کتابوں میں شامل کیا گیا ہے، وہ ضائع ہو چکی ہے۔ اس کے بارے میں خود مصنف کی رائے ہے کہ یہ کتاب شائع نہ ہو سکی۔ اب ہم صرف اس کے نام سے واقف ہے (ص ۳۱۷)۔

☆ حاجی معین الدین ندوی کی تالیفات کا ذکر کرتے ہوئے اطلاع دی گئی ہے: ''دائرۃ المعارف حیدرآباد نے بھی ان کی خدمات مستعار لیں، وہاں انھوں نے قدیم ہندوستانی تاریخی مقامات کا ایک جغرافیہ عربی زبان میں مرتب کیا جسے دائرۃ المعارف نے شائع کیا'' (ص ۳۲۲)۔ اس مجمل اطلاع کی حقیقت یہ ہے کہ دائرۃ المعارف العثمانیہ۔ حیدرآباد مولانا سید عبدالحیٔ رائے بریلی (م: ۱۹۲۳ء) کی تالیف ''**نزھۃ الخواطر** '' شائع کر رہا تھا، اس میں مذکور اماکن کے لیے حاجی صاحب نے ایک مختصر ''**معجم الامکنۃ**'' مرتب کی تھی جو سید سلیمان ندوی کی تقدیم کے ساتھ دائرۃ المعارف العثمانیہ نے شائع کی تھی۔

☆ ''طبقات الامم'' کو ''مشہور ادیب اختر جوناگڑھی کی کتاب'' بتایا گیا ہے (ص ۳۵۹)۔ کتاب کے مصنف ابن صاعد اندلسی ہیں اور احمد میاں اختر جوناگڑھی (م: ۱۹۵۵ء) اس کے مترجم ہیں۔

☆ ''عرب و ہند کے تعلقات'' (تالیف سید سلیمان ندوی) کے دو انگریزی ترجموں کی اطلاع دی گئی ہے۔ بتایا گیا ہے کہ ایک ترجمہ جو جناب سعید الحق دسنوی نے کیا تھا، پہلے سہ ماہی ''اسلامک کلچر'' (حیدرآباد) میں قسط وار شائع ہوا، اور ''بعد میں اسے حکومت پاکستان نے کتابی صورت میں شائع کیا'' (ص ۱۹۸)۔ اس آخر الذکر اطلاع کا ماخذ کیا ہے؟ اور یہ ترجمہ کب شائع ہوا تھا؟ یہاں جملہ اطلاعات دینا ضروری تھا۔

☆ صفحات ۳۶۰-۳۶۱ پر دارالمصنفین کے ''سلسلہ ناموران اسلام'' کے تحت کتابوں کا نام بہ نام ذکر کرنے کے بعد لکھا گیا ہے: ''ان تمام کتابوں کی قدر و قیمت کا

جائزہ گزشتہ صفحات میں پیش کیا جاچکا ہے'' (ص۳۶۱)۔مگر ان میں سے ''امام رازی'' (تالیف عبدالسلام ندوی)، ''حکمائے اسلام'' (عبدالسلام ندوی)، اور ابن رشد'' (مولانا محمد یونس فرنگی محلّی) وغیرہ کا کوئی جائزہ کتاب میں شامل نہیں۔

دوران مطالعہ میں بعض افراد، شہروں اور کتابوں کے نام سہو قلم یا حروف چین (Compositor) کی غفلت کی وجہ سے صحیح طور سے نہیں لکھے جا سکے۔ مثال کے طور پر مارش مین (حاشیہ، ص۲۶)، ریورنڈ ریکسوس (ص۴۲)، ابن صاعد (ص۶۳)، گاڈ فری ہگنز (ص۷۳)، محمد رضا کحالہ (ص۱۱۱)، ابن خردازبہ (ص۱۹۹)، واسکوڈی گاما (ص۲۰۰)، افتخار عالم مارہروی (ص۲۲۶)، کشن پرشاد (۲۳۹)، الفریڈ گیوم (۳۵۳) اور ابن ابی اصیبعہ (ص۳۴۹) کے نام درست ہونا چاہییں۔ بعض مغربی اہل قلم کے نام اردو کے ساتھ ساتھ قوسین میں لاطینی رسم الخط میں درج کیے گئے ہیں جن میں پامر (Palmer، ص۶۶)، ایڈورڈ سخاؤ (E-Sachau، ص۶۶،۶۷)، نولڈ کے (Theodore Noldeke، ص۶۶،۷۱)، مارگولیتھ (Margoliouth، ص۶۶) ٹی-ڈبلیو-آرنلڈ (T.W.Arnold، ص۴۸)، اور رانکے (Ranke، ص۸۸) وغیرہ کے لاطینی حروف میں ناموں کے ہجے درست نہیں۔ شہروں کے ناموں میں ٹھٹھہ (ص۲۹)، اور کتابوں میں ''**خریدة القصر**'' (ص۲۲۲) اور ''**رفع الملام عن ائمة الاسلام**'' (ص۲۳۴) صحیح طور پر درج نہیں ہو سکے۔

علامہ شبلی کے سفرِ روم و مصر و شام کا سال ۱۹۸۲ء درج ہو گیا ہے (ص۱۰۹)، اور دریافت امریکہ کا سال ۱۳۹۸ء کتابت ہوا ہے (ص۲۱۰) جو صحیح نہیں، اور صفحات ۷۶-۷۷ پر ''مقالات شبلی'' کا حوالہ دیتے ہوئے متعلقہ جلد کا اندراج ہونے سے رہ گیا ہے۔

حواشی

۱-	ڈاکٹر جمیل جالبی کی تالیف ''تاریخ ادب اردو، جلد دوم'' (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، س-ن) پر انحصار کرتے ہوئے مولف نے لکھا ہے کہ ''قصہ و احوال روہیلہ'' کی تالیف ۱۷۷۴-۱۷۸۱ء کے درمیان ہے، مگر قاضی عارف حسین کے مطابق، جنھوں نے اس کتاب کے خطی نسخے (مخزونہ انجمن ترقی اردو پاکستان-کراچی) کا عکس ''تاریخ کی پہلی کتاب: قصہ و احوال روہیلہ'' (واہ کینٹ: مجلس تصنیف و تالیف پاکستان، ۱۹۸۹ء) کے نام سے شائع کیا ہے، ''قرائن اور داخلی شواہد کی بنا'' پر ''قصہ و احوال روہیلہ'' کا سال تالیف ۱۱۸۸ھ (۱۷۷۴-۷ء) قرار پاتا ہے (ص۱۰)۔

۲-	شبلی نعمانی، ''سیرۃ النبی''، حصہ اول، اعظم گڑھ: مطبع معارف، ۱۹۶۲ء، صفحات ۱۰۱-۱۰۳۔ یہ اقتباس جناب محمد الیاس اعظمی نے بھی نقل کیا ہے (صفحات ۱۴۳-۱۴۴)، مگر پڑھتے ہوئے کھٹک محسوس ہوا تو اصل کتاب دیکھنے پر اس کے ناقص ہونے کی تصدیق ہوگئی۔ واللہ اعلم ان کے زیر استعمال نسخۂ ''سیرۃ النبی'' ہی غلط چھپا ہے، یا نقل کرنے میں توجہ مرکوز نہیں رکھی جا سکی۔

۳-	مولوی خیر الدین محمد الہ آبادی (م قریب بہ: ۱۸۲۷ء) کے لیے دیکھیے: سی-اے- سٹوری، Persian Literature: A Bio-bibliographical Survey، جلد ا، حصہ ا، لندن: لوزک اینڈ کمپنی، ۱۹۷۸ء، صفحات ۵۲۰-۵۲۲، ۶۴۱، ۶۴۱-۶۴۲۔ سید غلام علی نقوی کے لیے دیکھیے: حوالہ مذکورہ، صفحات ۷۰۵-۷۰۶

۴-	حوالہ مذکورہ، ص۳۹۹

۵-	حوالہ مذکورہ، صفحات ۶۹۲-۶۹۳

۶-	اشاعت اول، بجنور: مدینہ پریس، ۱۹۴۷ء، اشاعت دوم، (بااضافہ ''حرف آغاز و تتمہ'' محمد عبدالحکیم شرف قادری، ''تحشیہ'' حکیم محمد موسیٰ امرتسری)، لاہور: مکتبہ قادریہ ۱۹۷۴ء، اشاعت سوم، لاہور: مکتبہ قادریہ، ۱۹۷۸ء، اشاعت چہارم، (بہ تجدید نظر، عبدالشاہد خان شروانی) محمد آباد گوہنہ (اعظم گڑھ): المجمع الاسلامی فیض العلوم ۱۹۸۵ء

۷- سمیع اللہ ''انیسویں صدی میں اردو کے تصنیفی ادارے''، فیض آباد: مولف، ۱۹۸۸ء، صفحات ۳۳۲-۳۳۳

۸- مشمولہ ''فکر ونظر'' (علی گڑھ)، شبلی نمبر، جون ۱۹۹۶ء، صفحات ۳۱۵-۳۹۱

جناب محمد الیاس اعظمی نے اپنی ایک دوسری تحریر ''الفاروق کے تراجم'' (مشمولہ ''محمد یٰسین مظہر صدیقی، عبیداللہ فہد، ''الفاروق-ایک مطالعہ''، علی گڑھ: ادارہ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی، مارچ ۲۰۰۲ء، صفحات ۳۲۹-۳۳۳) میں مزید معلومات کے ساتھ اس کے انگریزی تراجم کے بارے میں اپنی تحقیق ان الفاظ میں پیش کی ہے:

''الفاروق'' شائع ہوئی تو اسے انگریزی میں منتقل کرنے کی کئی لوگوں نے کوشش کی، سب سے پہلے ۱۸۹۹ء میں علامہ شبلی کے شاگرد مولانا ظفر علی خان نے شمس العلما مولانا سید علی بلگرامی اور مولوی عزیز مرزا کی تحریک پر اس کام کا آغاز کیا اور ''الفاروق'' کے ایک حصہ کا ترجمہ کیا جسے ۱۹۳۹ء میں شیخ محمد اشرف تاجر کتب اسلامیہ کشمیری بازار لاہور نے شائع کیا۔--- ''الفاروق'' کا انگریزی ترجمہ شیخ عطاء اللہ صاحب لاہور نے بھی شروع کیا تھا، مگر وہ اسے پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکے، البتہ دوسرا انگریزی ترجمہ جناب محمد سلیم کے قلم سے نکلا۔ یہ ترجمہ بھی شیخ محمد اشرف کشمیری بازار لاہور ہی نے ۱۹۵۷ء میں شائع کیا۔---(ص ۳۳۲)۔

جناب اعظمی کی اس تحریر میں صحیح لکھا گیا ہے کہ ظفر علی خان نے ''الفاروق'' کے صرف پہلے حصے کا ترجمہ کیا تھا، مگر محمد سلیم کے ترجمے کو ''الفاروق'' کا دوسرا ترجمہ ہی قرار دیا گیا ہے۔

[''فکر ونظر''، اسلام آباد۔ جولائی-ستمبر ۲۰۰۴ء، جلد ۴۲، شمارہ ۱-ص: ۱۶۳-۱۷۳]

عظمت کے نشاں

[۲۰۰۵ء]

جناب محمد الیاس اعظمی کی متنوع علمی اور تصنیفی دلچسپیوں میں ''دبستان شبلی'' کے مطالعہ وتحقیق کو نسبتاً نمایاں مقام حاصل ہے،ان کے استاد گرامی مولانا مجیب اللہ ندوی (۲۰۰۶ء) اسی دبستان کی علمی اور ادبی روایت کے امین تھے،اور خود جناب اعظمی مولانا مجیب اللہ ندوی کے جاری کردہ ماہنامہ ''الرشاد'' (اعظم گڑھ) کے ذریعے تصنیف وتالیف اور فکر ودانش کی اسی نہج پر کام کررہے ہیں۔یہ محض اتفاق نہیں، بلکہ ان کے ذوق نظر کا اظہار ہے کہ انھوں نے ڈاکٹریٹ کے مقالۂ تحقیق کے لیے 'دارالمصنّفین کی تاریخی خدمات' کا موضوع پسند کیا۔اس سلسلے میں ان کی ایک کاوش 'علامہ سید سلیمان ندوی بحیثیت مورخ' کے عنوان سے شائع ہوئی،اور اب سوانحی وتاثراتی مضامین کے زیرنظر مجموعے میں بھی نصف سے زائد تعداد ان اہل علم کی ہے جو علامہ شبلی سے براہ راست متعلق رہے، یا ان کی علمی وادبی روایت سے وابستہ تھے۔کتاب کی دوتہائی ضخامت انھی سے متعلق مضامین کی نذر رہے۔

مضامین کے مندرجات پر اظہار خیال سے پہلے مناسب دکھائی دیتا ہے کہ جملہ مضامین کے عنوانات پر ایک نظر ڈال لی جائے۔عنوانات یہ ہیں:

۱- سرسید احمد خان اور علم تاریخ

۲- علامہ شبلی نعمانی-علی گڑھ میں

۳- تصانیف شبلی کے تراجم

۴- مولانا سید سلیمان ندوی کی تصانیف کے تراجم
۵- مولانا حمید الدین فراہی -فن اور شخصیت
۶- مولانا عبدالسلام ندوی: تصانیف، تالیفات اور تراجم
۷- مولانا ابوالکلام آزاد کی تاریخی بصیرت
۸- مولانا سید ابوظفر ندوی: حیات وخدمات
۹- مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی مورخانہ عظمت
۱۰- مولانا امین احسن اصلاحی کا اسلوب نگارش
۱۱- ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور قانون بین الممالک
۱۲- مولانا صدرالدین اصلاحی کی تصانیف: ایک تعارف
۱۳- مولانا مجیب اللہ ندوی
۱۴- قاری محبّ الدین احمد صاحب الہ آبادی
۱۵- قاری ظہیرالدین صاحب معروفی
۱۶- مولانا مفتی نظام الدین اعظمی
۱۷- ڈاکٹر ضیاء الدین ڈیسائی
۱۸- نجیب محفوظ
۱۹- مجنوں گورکھ پوری
۲۰- شکیل بدایونی کی شاعری
۲۱- میجر علی حماد عباسی
۲۲- ڈاکٹر محمد طاہر مرحوم
۲۳- نیاز اعظمی جیراج پوری
۲۴- ڈاکٹر اکبر رحمانی

ان مضامین کے محتویات پر ایک نظر ڈالنے سے واضح ہوتا ہے کہ بعض مضامین

(۱۴ تا ۲۴) اہل علم کی رحلت پر ان کی یاد میں تاثراتی تحریروں کے طور پر لکھے گئے ہیں، یا کسی خاص واقعے، مثلاً نجیب محفوظ کو ادب کا نوبل ملنے پر حیطۂ تحریر میں آئے ہیں۔ باقی مضامین ڈاکٹریٹ کے موضوع پر کام کرتے ہوئے، یا مختلف سیمیناروں میں پڑھنے کے لیے لکھے گئے ہیں۔

''سرسید احمد خان اور علم تاریخ''، ''علامہ شبلی نعمانی-علی گڑھ میں''، ''تصانیف شبلی کے تراجم''، ''مولانا سید سلیمان ندوی کی تصانیف کے تراجم''، ''مولانا عبدالسلام ندوی: تصانیف، تالیفات اور تراجم''، ''مولانا سید ابوظفر ندوی: حیات وخدمات'' اور ایک حد تک مضمون ''مولانا مجیب اللہ ندوی'' ''دارالمصنّفین کی تاریخی خدمات'' پر کیے گئے کام کی توسیع ہے، اور بعض وہی معلومات ان مضامین میں دہرائی گئی ہیں جو مقالۂ تحقیق میں پیش کی گئی تھیں۔ ان میں سے اولیں دو مضامین بظاہر دو مختلف شخصیات پر ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے متعلق ہیں۔ سرسید احمد خان اور علامہ شبلی کی ایک نسل کے فرق، نیز زاویۂ نظر کے اختلاف کے باوجود ان میں جو امور باہم مشترک تھے، ان میں دونوں کی تاریخ سے دلچسپی سرفہرست تھی۔ شبلی نعمانی کو سرسید احمد خان کے کتب خانے میں ''تاریخ و جغرافیہ کی ایسی کتابیں'' دیکھنے کا موقع ملا تھا جن کو بقول شبلی ''(وہ) کیا بڑے بڑے لوگ نہ جانتے ہوں''۔ ان دونوں مضامین میں سرسید احمد خان کی تاریخ نگاری اور ان کے تصورِ تاریخ، نیز شبلی نعمانی کے قیام علی گڑھ (۱۸۸۳ء-۱۸۹۸ء) میں ان کی علمی سرگرمیوں، اور بالخصوص تصنیف و تالیف کا ذکر کیا ہے۔ اسی دور میں شبلی نے ''مسلمانوں کی گزشتہ تعلیم''، ''المامون''، ''سیرۃ النعمان''، ''سفرنامہ روم ومصروشام'' اور ''الفاروق'' تالیف کی تھی۔ ان میں سے اول الذکر مضمون تو لکھا ہی سرسید احمد خان کے ایما پر گیا تھا، اور شبلی نعمانی کے اپنے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں انھوں نے اپنی آرا کی جگہ سرسید احمد خان کے نقطۂ نظر کو پیش کیا تھا۔ ''المامون'' سرسید کے دیباچے کے ساتھ چھپی تھی اور ''الفاروق'' پر سرسید نے

حوصلہ افزا تبصرہ لکھا تھا۔مزید برآں بعض کتابیں سرسید نے کالج کی جانب سے شائع کی تھیں۔

علامہ شبلی اور اس کے جانشین سید سلیمان ندوی کی تحریروں کی مقبولیت کا ایک مظہر یہ ہے کہ مختلف زبانوں میں ان کے ترجمے ہورہے ہیں۔جناب اعظمی نے تراجم دیکھ کر، یا ثانوی ذرائع سے ان کے بارے میں معلومات یک جا کی ہیں،البتہ ثانوی ماخذوں سے حاصل کردہ معلومات میں جو غلطیاں تھیں، وہ من وعن جناب اعظمی کے مضامین میں درآئی ہیں۔

مولانا عبدالسلام ندوی تصنیف و تالیف کے حوالے سے دارالمصنّفین میں سید سلیمان کے بعد دوسرے بڑے قلم کار تھے،مگر انھیں اپنی تنہائی پسندی اور افتادطبع کے باعث سماجی طور پر وہ مقام حاصل نہ ہوسکا جس کے وہ واقعی مستحق تھے۔جناب کبیر احمد جائسی جیسے بعض اہل قلم کو یہ محسوس بھی ہوتا ہے کہ مولانا عبدالسلام ندوی کے ساتھ 'زیادتی' ہوتی رہی ہے، چنانچہ انھوں نے اپنی مختلف تحریروں میں شکایت آمیز انداز میں مولانا عبدالسلام ندوی کی سوانح حیات اور علمی کارناموں کی جانب توجہ دلائی ہے۔غالبًا اب تک ''حیات شبلی'' یا ''حیات سلیمان'' جیسی کوئی بہت جامع سوانح عمری یا مطالعہ تو مولانا عبدالسلام ندوی پر سامنے نہیں آیا، تاہم پاکستان و ہند کی مختلف جامعات میں ان کی علمی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر تنقیدی اور تجزیاتی کام ہو چکا ہے،اسی طرح اردو اور انگریزی میں ان کے بارے میں نہایت جامع تعارفی مضامین شائع ہوگئے ہیں۔جناب اعظمی کا مضمون بھی تعارفی نوعیت کا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی دلچسپیوں کا دائرہ بہت وسیع تھا،اور ایک باصلاحیت ''مدیر جریدہ'' کی کامیابی کے لیے یہ ''وسعت مطالعہ'' آج بھی اتنی ہی اہم ہے جتنی مولانا آزاد کے زمانہ ''الہلال'' و'' البلاغ'' میں تھی۔تاریخ اور آثار قدیمہ سے مولانا آزاد کی

دلچسپی کا اظہار ''الہلال'' کے صفحات سے لے کر ''ترجمان القرآن'' کے تفسیری مباحث تک ہوا ہے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی کے اس بیان میں اگر چہ کچھ مبالغہ دکھائی دیتا ہے کہ ''مولانا آزاد کا تاریخی شعور خونِ زندگی کی طرح ان کی ہر تحریر وتقریر میں دوڑتا نظر آتا ہے''، تاہم یہ بیان سرے سے غلط بھی نہیں ہے۔ جناب اعظمی نے مولانا آزاد کی تاریخی بصیرت کے اثبات کے لیے ان کی متفرق تحریروں اور ''ترجمان القرآن'' کے مندرجات سے استشہاد کیا ہے، اوران کے مطالعہ میں آنے والی بعض کتابوں پر ان کے حواشی کا ذکر کیا ہے۔ مولانا آزاد نے سرمد، داراشکوہ اور محی الدین اورنگ عالم گیر کے حوالے سے جو کچھ لکھا ہے، اس میں ''تاریخیت'' کی نسبت ''رومانویت'' کو زیادہ دخل ہے، اور یہاں وہ اپنے پیش رو علامہ شبلی نعمانی سے مختلف، بلکہ متضاد زاویۂ نظر رکھتے ہیں۔ مولانا آزاد نے ''غبارِ خاطر'' کے آخری خط میں اورنگ زیب عالم گیر کی ''فصل بہار'' پر جو کچھ کہا ہے، اسے خود جناب اعظمی کے اقتباس سے ملا کر پڑھنے کی ضرورت ہے: ''متعصب مورخوں نے عالم گیر کی ذات کو سب سے زیادہ ہدفِ تنقید وتنقیص بنایا۔ ایک کنیز زین آبادی سے اس کے تعلق کو بہت بڑھا چڑھا کر رنگ آمیزی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ (اکبر) رحمانی صاحب نے اس پر مفصل اور علمی مقالہ لکھ کر اس سلسلہ کے الزامات کی پردہ دری کی ہے'' (صفحات ۲۸۲-۲۸۳)۔

سید ابوظفر ندوی اور مولانا مجیب اللہ ندوی نے اپنی علمی وتصنیفی زندگی کا آغاز دارالمصنّفین میں کیا تھا۔ دو مضامین ان کی کاوشوں کے تعارف پر مشتمل ہیں۔ باقی مضامین میں سے مولانا حمید الدین فراہی کے فن وشخصیت پر صرف چھ صفحات لکھے گئے ہیں، زاویۂ نظر درست ہونے کے باوجود مضمون بہت تشنہ ہے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تالیف ''تاریخ دعوت وعزیمت'' کی روشنی میں ان کی ''مورخانہ عظمت'' متعین کی گئی ہے۔ مولانا صدر الدین اصلاحی کی جملہ تصانیف وتراجم کے تعارف کے ساتھ مولانا امین احسن اصلاحی

کے اسلوب نگارش اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی ان کاوشوں پر گفتگو کی گئی ہے جن کا تعلق ''قانون بین الممالک'' سے ہے۔

جناب محمد الیاس اعظمی نے ایک ذمہ دار مصنف کے طور پر اپنے مآخذ کا ذکر کیا ہے۔مثال کے طور پر ''تصانیف شبلی کے تراجم'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ: ''اس مضمون کی تیاری میں 'کتاب نامہ شبلی' از جناب اختر راہی، 'اشاریہ جہان شبلی'، از ڈاکٹر ضیاء الدین انصاری مشمولہ 'فکر ونظر'، شبلی نمبر، علی گڑھ اور 'منتخب کتابیات شبلی' مرتبہ جناب کبیر احمد خان مشمولہ 'الفاروق: ایک مطالعہ' مطبوعہ ادارہ علوم اسلامیہ علی گڑھ (۲۰۰۲ء) سے خاص طور سے استفادہ کیا گیا ہے'' (ص۶۰)۔اس طرح مولانا عبدالسلام ندوی کی تالیف ''ابن یمین'' کے تعارف میں لکھا ہے: ''باوجود تلاش بسیار کے یہ کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔ (کتاب کے بارے میں) مذکورہ تمام تفصیلات بابائے اردو مولوی عبدالحق کے رسالہ 'اردو' سے دستیاب ہوئیں۔انھوں نے اس پر ایک عمدہ تبصرہ کیا ہے'' (ص۸۶)۔

دوران مطالعہ میں حسب ذیل فروگزاشتیں اور کمزوریاں سامنے آئی ہیں، امید ہے کہ آئندہ اشاعت میں ان کی تصحیح کردی جائے گی:

☆ ''الفاروق'' کے انگریزی تراجم کے حوالے سے لکھا گیا ہے: ''دوسرا انگریزی ترجمہ جناب محمد سلیم کے قلم سے نکلا'' (ص۵۰)، جب کہ پہلا ترجمہ مولانا ظفر علی خان نے کیا تھا۔حقیقت یہ ہے کہ ''الفاروق'' کے پہلے حصے کا ترجمہ (بہ قلم مولانا ظفر علی خان) شیخ محمد اشرف (لاہور) نے شائع کیا تو ترجمۂ کتاب کی تکمیل کے لیے اس کے دوسرے حصے کا ترجمہ محمد سلیم سے کرایا گیا۔دوسرے لفظوں میں ''الفاروق'' کا صرف ایک کامل انگریزی ترجمہ ہے، جس کے پہلے حصے کا ترجمہ مولانا ظفر علی خان، اور دوسرے حصے کا ترجمہ محمد سلیم نے کیا ہے۔

یہ اطلاع بھی مسرت سے سنی جائے گی کہ انجینئر عبدالمالک میمن نے 'الفاروق'

کا سندھی ترجمہ کیا ہے جو دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی-اسلام آباد سے شائع ہوا ہے۔

☆ ''سیرۃ النبیؐ'' کے انگریزی ترجمہ کے حوالے سے لکھا گیا ہے کہ جناب فضل الرحمٰن (م۱۹۶۶ء)، سابق وزیر حکومت پاکستان نے ''سیرۃ النبیؐ'' کی دونوں جلدوں کو انگریزی کا قالب عطا کیا جسے پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی نے علی الترتیب ۱۹۶۷ء اور ۱۹۷۰ء میں شائع کیا'' (ص۵۴)۔ دوسرا انگریزی ترجمہ طیب بخش بدایونی نے کیا جو قاضی پبلشرز لاہور سے ۱۹۷۹ء-۱۹۸۰ء میں شائع ہوا'' (ص۵۴)۔

''سیرۃ النبیؐ'' کے انگریزی تراجم کے حوالے سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جناب فضل الرحمٰن نے دونوں جلدوں کا ترجمہ نہیں کیا۔ فضل الرحمٰن کا ترجمہ جلد اول، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی-کراچی نے دو حصوں میں شائع کیا۔ جلد اول کا ترجمہ شائع ہو جانے کے بعد جمعیت الفلاح-کراچی کے ڈاکٹر امیر حسن صدیقی نے مولوی سبطین احمد کے قلم سے ''سیرۃ النبیؐ'' جلد دوم کا ترجمہ شائع کیا (مولوی سبطین احمد نے اگرچہ دونوں جلدوں کا ترجمہ کیا تھا، تفصیل کے لیے دیکھیے: تسلیم غوری بدایونی، (مقالہ) ''سیرۃ النبیؐ'' کا ایک گم نام مترجم: مولوی سبطین احمد اور ان کا وطن، ''معارف''، اعظم گڑھ، جنوری ۲۰۰۵ء، صفحات ۴۸-۶۴)۔

''سیرۃ النبیؐ'' (جلد اول تا ششم) کا ایک اور ترجمہ جناب رفیق عبدالرحمٰن کے قلم سے دارالاشاعت-کراچی نے ۲۰۰۳ء میں شائع کیا ہے۔

☆ مولانا سید ابوظفر ندوی پر مضمون کی ساری معلومات بہت حد تک اعظمی صاحب کی تالیف ''دارالمصنّفین کی تاریخی خدمات'' میں آ چکی ہے۔ اس طرح ہمارے لیے یہ مضمون قند مکرر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی ایک دو فروگزاشتوں کی طرف ہم اعظمی صاحب کی اصل کتاب پر تبصرے میں اشارہ کر چکے ہیں۔ (دیکھیے: ''فکر ونظر'' بابت

جولائی-ستمبر۲۰۰۴ء،صفحات۱۶۳-۱۷۳)۔زیرنظرمضمون میں انھوں نے ماہنامہ'معارف' (اعظم گڑھ)میں سید ابوظفر ندوی کے شائع شدہ مقالات کی زیادہ مکمل فہرست دی ہے (صفحات ۳۱۸-۳۱۹)۔'معارف' کے علاوہ سید ابوظفر ندوی کے مضامین ماہنامہ''برہان'' (دہلی)اور ماہنامہ''شہاب''(جونا گڑھ)میں بھی شائع ہوتے رہے ہیں۔حیرت ہے کہ جناب اعظمی کو ہندوستان میں''برہان''(دہلی) اور''شہاب'' (جونا گڑھ) کی فائلیں دستیاب نہ ہوسکی''(ص ۱۴۶)۔''اشاریۂ برہان''میں سید ابوظفر ندوی کے ان مضامین کا اندراج کیا گیا ہے:''احمد آباد کی شیدی سعید مسجد''(جلد۳۳ شمارہ ۴۵)،''سنسکرت کا فارسی ترجمہ''(جلد۳۲،شمارہ۲)،''جوگ بششٹ''،(جلد۴۰،شماہ۳-۴)

''دارالمصنّفین'' کی متعدد کتابیں پاکستان میں قانون کے مطابق،یا اسے نظر انداز کرتے ہوئے شائع ہوتی رہی ہیں،اوراب بھی ہورہی ہیں۔ان اشاعتوں کی خبرتو ''دارالمصنّفین'' کے کارپردازوں کو ہوتی رہتی ہے،اور وہ وقتاً فوقتاً احتجاج بھی کرتے رہے ہیں،مگر یہ اشاعتیں ہندوستان میں بالعموم دستیاب نہیں۔یہی وجہ ہے کہ جناب محمد الیاس اعظمی نے بعض ان کتابوں کی اشاعت جدید کی جانب توجہ دلائی ہے،جو پاکستان کے ناشرین نے اصل نام،یا نام بدل کر شائع کررکھی ہیں۔مولانا عبدالسلام ندوی کی بعض کتب نیشنل بک فاؤنڈیشن آف پاکستان نے دارالمصنّفین کے ساتھ کیے گئے معاہدے کے تحت شائع کی ہیں۔دوسرے اداروں نے بھی ان کی بعض معروف کتابیں شائع کررکھی ہیں جو بازار میں بآسانی دستیاب ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب خاصے سلیقے سے مرتب کی گئی ہے،اوراسی طرح مناسب انداز میں شائع کی گئی ہے۔ناشراپنے حسن ذوق کے لیے ہدیۂ تبریک کے مستحق ہیں۔

[سہ ماہی''فکرونظر''،اسلام آباد،جلد۴۴،شمارہ۱-ص:۱۱۹-۱۲۴]

شاہ معین الدین احمد ندوی: حیات وخدمات

[۲۰۰۷ء]

شاہ معین الدین احمد ندوی (۱۹۰۳-۱۹۷۴ء) برعظیم پاکستان و ہند کے معروف علمی ادارے دارالمصنّفین-اعظم گڑھ کے ناظم اور اس کے ترجمان ''معارف'' کے مدیر کی حیثیت سے کسی تعارف کےمحتاج نہیں۔۱۹۲۴ء میں جب انھوں نے دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ سے سندِ فضیلت حاصل کی تو سید سلیمان ندوی نے انھیں اپنی علمی ٹیم کے ''رفیق'' کےطور پر دارالمصنّفین بلا لیا۔سید صاحب دارالمصنّفین کی داخلی صورت حال کے تحت پہلے جون ۱۹۴۹ء میں ریاست بھوپال کے قاضی القضاۃ ہوکر وہاں چلے گئے،اور پھر ۱۹۵۰ء میں پاکستان آ گئے۔قیام بھوپال کے دوران میں سید صاحب نے دارالمصنّفین سے اپنا تعلق قائم رکھا تھا، اس کی نظامت اور ''معارف'' کی ادارت کے فرائض انجام دیتے رہے،تاہم ادارے کی جملہ علمی ذمہ داریوں کا بوجھ شاہ معین الدین احمد ندوی کے کندھوں پر تھا،اور جب سید صاحب پاکستان چلے آئے تو دارالمصنّفین سے ان کا تعلق محض جذباتی و روحانی ہوکر رہ گیا۔۱۹۵۰ء کے بعد کا زمانہ دارالمصنّفین کے لیے بوجوہ بڑا پر آشوب تھا۔مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے تقسیم ہند کے پس منظر میں اس دور کی صورت حال پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے:

> ''تصنیفی وتحقیقی اداروں کے لیے جن کی بنیاد اسلام کے خزانۂ عامرہ کی حفاظت و اشاعت پر تھی،اور جن کا خمیر سیرت نبوی اور تاریخ

اسلام سے اٹھایا گیا تھا، زندگی کا میدان تنگ اور مستقبل تاریک سے تاریک تر نظر آرہا تھا، سیاسی اور اقتصادی انقلاب نے علمی ذوق، اسلامی کتابوں کی اشاعت اور تحقیقی کام کو بے وقت کی شہنائی قرار دے دیا تھا، مسلمانوں کا جذبۂ اعانت و ایثار مفلوج سا ہوگیا تھا، علمی و دینی اور خصوصیت کے ساتھ بلند پایہ تحقیقی کتابوں کی خریداری اور ایسے اداروں کی سرپرستی کا جذبہ سرد، بلکہ مردہ ہوتا جارہا تھا۔ دارالمصنّفین کی کتابوں کے دو مارکیٹ اور اس کے قدردانوں کے دو اہم اور فعال حلقے تھے، پنجاب اور حیدرآباد۔ ایک (نوآزاد ہندوستان) سے کٹ چکا تھا، دوسرا انقلاب و حوادث کا شکار تھا۔'' (پرانے چراغ، حصہ اول، ص۴۵۶-۴۵۷)

شاہ معین الدین احمد ندوی نے گرداب میں پھنسی ہوئی کشتی کی مانند ادارے کو اپنی اَن تھک کوششوں سے ساحل مراد پر پہنچایا۔ اس کی مالی حالت کو مستحکم کیا، جاری علمی منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا، اور بزمِ ''معارف'' کی رونق کو ماند نہ پڑنے دیا۔ ۱۹۶۵ء میں دارالمصنّفین کی گولڈن جوبلی شایان شان طریقے سے منائی۔

شاہ معین الدین احمد ندوی نے بطور مصنف و محقق اسلام کی تاریخ وتہذیب، سوانح نگاری اور اردو شعر و ادب کی تنقید کے میدانوں میں قابل ذکر کام کیا ہے۔ ان کی مرتبہ ''تاریخ اسلام'' برعظیم کی اکثر جامعات کے شعبہ ہائے تاریخ و اسلامیات کے نصابات کا جز ہے، اور غالباً اس موضوع پر بازار میں دستیاب دوسری کتابوں کی نسبت زیادہ مقبول بھی ہے۔ ان کی دوسری کتابوں میں سلسلہ ''سیر الصحابہ'' کی جلد سوم، ششم اور ہفتم کے ساتھ ''تابعین'' اور ''حیات سلیمان'' نمایاں ہیں۔ ''حیات سلیمان'' سے پہلے شاہ صاحب کے استاذ گرامی سید سلیمان ندوی کی سوانح و خدمات پر دو چار کتابیں شائع ہوچکی

تھیں،مگر ''حیات سلیمان'' کی جگہ خالی تھی جو اس کی تصنیف و اشاعت کے ساتھ ہی پر ہوئی۔اسلامی تاریخ وتہذیب سے ان کی دلچسپی ہی کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے شامی عالم علامہ محمد کردعلی (م:۱۹۵۳ء) کی ''**الاسلام والحضارة العربية**'' کو اسلام اور عربی تمدن کے نام سے اردو کا جامہ پہنایا۔اردو اور فارسی شعر و ادب سے ان کی دلچسپی کا مظہر ''خریطۂ جواہر'' (مرتبہ مرزا مظہر جان جاناں) کا ترجمہ وتشریح اور متعدد مقالات ہیں جن میں سے چند ایک ''ادبی نقوش'' کے نام سے شائع ہوئے تھے۔

شاہ صاحب کی رحلت پر کچھ تعزیتی مضامین شائع ہوئے تھے،اور ایک دو رسالوں نے ان کی یاد میں خصوصی اشاعتیں بھی مرتب کی تھیں،تاہم ان کے مقام ومرتبہ کے عالم ومصنف کی مستقل بالذات سوانح عمری کا مرتب کیا جانا ضروری تھا۔محمد الیاس الاعظمی: دارالمصنّفین اور دبستان شبلی کے رجال کار سے دلی تعلق رکھتے ہیں۔انھوں نے ''دارالمصنّفین کی تاریخی خدمات'' (پٹنہ: خدا بخش پبلک لائبریری،۲۰۰۲ء) میں شاہ صاحب کی تاریخی تالیفات کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ لیا تھا،اب انھوں نے شاہ صاحب کی حیات و خدمات کا مفصل تر جائزہ زیر نظر کتاب کی صورت میں پیش کیا ہے۔کتاب کے باب اول میں ان کی حیات و خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔باب دوم ان کی تصنیفات و تراجم کے تعارف پر مشتمل ہے۔باب سوم، چہارم اور پنجم میں ان کی تذکرہ نگاری،ادبی و تنقیدی بصیرت اور تاریخ نگاری کا جائزہ لیا گیا ہے۔باب ششم میں ان کے اسلوب نگارش پر اور باب ہفتم میں ان کے افکار و خیالات پر گفتگو کی گئی ہے۔آخر میں بطور باب ہشتم چند معروف اہل علم و دانش۔شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی،سید ابوالحسن علی ندوی،مولانا محمد عثمان قاسمی،جناب عبداللطیف اعظمی اور قاضی اطہر مبارک پوری— کے نام ان کے مکتوبات درج کیے گئے ہیں۔ان مکتوبات سے بھی ان کے افکار و خیالات، دلچسپیوں اور طرز فکر پر روشنی پڑتی ہے۔

جناب محمد الیاس الاعظمی نے شیخ احمد عبدالحق رودولوی (م:۱۴۳۴ء) کے مجموعہ ملفوظات ''**انوار العیون فی اسرار المکنون**'' (مرتبہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی) کے اردو ترجمے (مطبوعہ اعظم گڑھ: مطبع معارف، ۱۹۲۸ء) کو سید صباح الدین عبدالرحمٰن کی شہادت پر شاہ معین الدین احمد ندوی کی جانب منسوب کیا ہے۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن کی شہادت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، تاہم یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ انھوں نے ''انوارالعیون'' کی مذکوہ اشاعت پر اپنا نام کیوں شائع نہ کیا۔ ''انوار العیون'' کا ایک ترجمہ ''الدرالمکنون'' کے نام رمضان ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۴ء میں مطبع مجتبائی-دہلی سے شائع ہوا تھا۔ یہ ترجمہ محمد نظام الدین عشق کیرانوی کی کاوش کا نتیجہ تھا۔ مطبع معارف کی اشاعت ''انوار العیون'' ہمارے پیش نظر نہیں کہ دونوں تراجم کا موازنہ کرکے ہم کوئی نتیجہ اخذ کرسکتے، کہیں ایسا تو نہیں کہ مطبع معارف کی اشاعتِ اولیں ترجمے پر ہی مشتمل ہو، یا اس میں معمولی حک واضافہ کردیا گیا ہو، اور مترجم کا نام دینا کسی وجہ سے مناسب خیال نہ کیا گیا ہو۔ واللہ اعلم

کتاب میں شامل تقدیمات میں جناب محمد الیاس اعظمی کی کاوش کو بجا طور پر سراہا گیا ہے۔ انھوں نے واقعی اس مختصر کتاب میں شاہ معین الدین احمد ندوی کی حیات و خدمات کی اچھی اور نہایت عمدہ تصویر پیش کی ہے۔ ناشر نے کتاب مناسب معیار طباعت پر شائع کی ہے۔

[''جہات الاسلام''، جنوری-جون ۲۰۰۸ء-ص: ۱۱۷-۱۱۹]

شاہ معین الدین احمد ندوی: حیات و خدمات

[۲۰۰۷ء]

شاہ معین الدین احمد ندوی (۱۹۰۳ء-۱۹۷۴ء) دارالمصنّفین اعظم گڑھ میں علامہ سید سلیمان (م ۱۹۵۳ء) کے جانشین تھے، اور انھوں نے جانشینی کا حق تقریباً ربع صدی تک بہ طریق احسن ادا کیا۔ دارالمصنّفین کا علمی سربراہ ہی اس کے مجلّے ''معارف'' کا مدیر ہوتا چلا آیا ہے۔ ہر ماہ باقاعدگی کے ساتھ ہندوستان کے حالات و واقعات کے پس منظر میں ''معارف'' کے ''شذرات'' (اداریہ) لکھتے رہے۔ ان کے 'شذرات' دارالمصنّفین کی ابتدائی روایت کے اس قدر قریب تھے کہ ایک خط میں سید سلیمان ندوی نے انھیں لکھا: ''معارف' میں آپ کے 'شذرات' پڑھے۔ الحمدللہ آپ نے 'شذرات' کے وقار کو قائم رکھا۔ س (سید سلیمان ندوی) اور م (معین الدین) میں شاید ہی کسی کو فرق محسوس ہو''۔

شاہ معین الدین احمد ندوی ''شذرات'' ہی میں نہیں، بلکہ ''معارف'' میں شائع ہونے والے مضامین پر بھی اتنی ہی محنت کرتے تھے۔ اہل قلم سے ان کی نسبتاً بہتر تحریریں حاصل کرتے، ان میں کانٹ چھانٹ کرتے، اور نوک پلک سنوار کر ''معارف'' کی زینت بناتے۔ مولانا قاضی اطہر مبارک پوری کو ان کے ایک مضمون کے حوالے سے لکھا ہے: ''مضمون میں اصل موضوع کے متعلق معلومات کم تھے، اس لیے آپ نے اس کو پورا کرنے کے لیے دوسرے متفرق معلومات سے اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن جو چیزیں بالکل غیر متعلق ہیں، ان کو میں نے نکال دیا ہے''۔

شاہ صاحب نے ''معارف'' کی ادارت اس طرح کی کہ ''معارف'' کے شیدائیوں کے نزدیک سید صاحب اور ان کے اسلوب ومعیار ادارت میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوا۔

ایک علمی مجلّے، اور وہ بھی ماہانہ شائع ہونے والے مجلّے کے مدیر کے لیے بالعموم ممکن نہیں ہوتا کہ وہ مستقل موضوعات پر خود کوئی بڑا کام کر سکے، وہ بالعموم دوسروں کی تحریریں ہی بنا سنوار کر شائع کرتا ہے، تاہم دارالمصنّفین کے مدیران ''معارف'' مستثنیٰ حیثیت رکھتے ہیں کہ سید صاحب سے لے کر مولانا ضیاء الدین اصلاحی تک سبھی نے ''معارف'' کی ادارت کی، اپنے نوعمر اور نووارد رفقا کی علمی وتصنیفی تربیت کی اور اپنے علمی منصوبوں پر بھی کام کیا۔ شاہ معین الدین احمد ندوی ایک شگفتہ نگار قلم کار تھے، اور ان کی تحریر میں دبستانِ شبلی کی مخصوص چاشنی اور شستگی پائی جاتی تھی۔ تاریخ وتذکرہ کی سادہ زبان لکھنے والے قلم سے شعر وادب کے فن پاروں پر خوبصورت تنقیدی تحریریں بھی نکلی ہیں۔

جناب محمد الیاس الاعظمی اہل علم کے شکریے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے زیرنظر سوانح حیات لکھ کر مدیر ''معارف'' ومصنف شاہ معین الدین احمد کے ساتھ ساتھ شاہ احمد عبدالحق رودولوی (۱۴۳۴ء) کے خلف سعید ''صوفی'' شاہ معین الدین احمد ندوی سے بھی متعارف کرایا ہے۔ ایک نجی خط میں انھوں نے اپنے معاصر گرامی مولانا علی میاں کو لکھا تھا:

''میں لاکھ بے عمل سہی، لیکن الحمدللہ بے عقیدہ نہیں، دل میں ایمان کی چنگاری موجود ہے، جب کوئی شعاع پڑتی ہے تو اس میں گرمی پیدا ہو جاتی ہے۔ میری طبیعت کو فطرتاً جمال اور عشق ومحبت سے زیادہ مناسبت ہے، اس لیے خشک کتابوں کا زیادہ اثر نہیں ہوتا، مگر جب عشق ومحبت اور کیف ومستی کا کوئی نغمہ کانوں میں پڑتا ہے تو دل کی کیفیت بدل جاتی ہے'' (ص ۵۰-۵۱)۔ آخر حیات میں انھوں نے مولانا محمد زکریا کاندھلوی سے بیعت کا تعلق قائم کیا، اور یہ تعلق بہت مضبوط ثابت ہوا تھا۔

متصوفانہ روایت سے دلچسپی کا اظہار جہاں انھوں نے اپنے جد امجد شیخ احمد

عبدالحق کے ملفوظات ''**انوار العیون فی اسرار المکنون** '' کا ترجمہ شائع کر کے کیا، وہیں مرزا مظہر جان جاناں کے مرتبہ'' خریطۂ جواہر'' کے اشعار کی تشریح میں بھی اس کی جھلک موجود ہے۔

جناب محمد الیاس الاعظمی نے ایک کامیاب سوانح نگار کے طور پر صاحب سوانح کی شخصیت کا اختصار و جامعیت سے احاطہ کیا ہے، گو ان کی اس کاوش میں شاہ صاحب کی علمی و تصنیفی زندگی کا حصہ غالب ہے۔آخر میں چند مشاہیر کے نام شاہ صاحب کے مکتوبات درج کیے گئے ہیں، مگر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ محنت اور تگ ودو سے مزید مکتوبات حاصل ہو سکتے تھے۔مثال کے طور پر مولانا علی میاں کے نام ان کا صرف ایک مکتوب ہی درج کیا گیا ہے، حالانکہ مولانا علی میاں سے ان کی بالعموم مراسلت رہتی تھی، نیز مولانا علی میاں کے یہاں معاصر مشاہیر کے مکتوبات کے تحفظ کا پورا اہتمام کیا جاتا تھا۔

کتاب کے آغاز میں ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی، ڈاکٹر خلیق انجم اور پروفیسر خورشید نعمانی ردولوی کی تعارفی وتقریظی تحریریں شامل کی گئی ہیں، جن میں اس مختصر سوانح عمری کی خوبیوں کی تعریف کی گئی ہے۔جہاں تک طباعتی معیار کا تعلق ہے، کتاب اوسط درجے کے کاغذ پر کمپیوٹر کی کتابت کے ساتھ مناسب انداز میں پیش کی گئی ہے۔اگر جناب محمد الیاس الاعظمی اسی اندازِ اختصار و جامعیت کے ساتھ شاہ صاحب کے جانشینوں –سید صباح الدین عبدالرحمٰن اور مولانا ضیاء الدین اصلاحی– کی سوانح عمریاں بھی مرتب کر دیں تو دارالمصنّفین کی ایک اچھی خدمت ہوگی۔

[سہ ماہی'' فکرونظر''، اسلام آباد، جلد۴۵، شمارہ۴–ص:۱۶۱–۱۶۳]

متعلقاتِ شبلی
[۲۰۰۸ء]

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی گذشتہ دس بارہ برس سے پورے تسلسل کے ساتھ علامہ شبلی نعمانی (م:۱۹۱۴ء) اور دبستان شبلی کے سربرآوردہ قلم کاروں کی سوانح حیات اور خدمات پر لکھ رہے ہیں۔ علامہ شبلی کی تین تصنیفات ''اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر''، ''موازنہ انیس و دبیر'' اور ''شعر العجم'' [حصہ چہارم] کے نئے ایڈیشن دار المصنّفین اعظم گڑھ نے ان کی تصحیح و تحقیق کے ساتھ شائع کیے ہیں۔ ان کے دو مطالعات ''علامہ سید سلیمان ندوی بحیثیت مورخ'' اور ''دار المصنّفین کی تاریخی خدمات'' خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ کی جانب سے پیش کیے گئے ہیں۔ ''شاہ معین الدین احمد ندوی حیات و خدمات'' اور ان کے مجموعہ مضامین ''مطالعات و مشاہدات'' میں شامل متعدد منتسبین ندوۃ العلما کے شخصی خاکے ''دبستان شبلی'' کی تصنیفی خدمات ہی کا حصہ ہیں۔ ندوۃ العلما کے ایک فاضل اور دار المصنّفین اعظم گڑھ کے سابق رفیق مولانا مجیب اللہ ندوی کے حوالے سے ان کا کام (''کاروان رفتگاں'' کی تدوین اور ''اشاریہ ماہنامہ الرشاد'' کی ترتیب) بھی بالواسطہ اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ ''متعلقات شبلی'' ان کی تازہ پیشکش ہے، جس میں انھوں نے علامہ شبلی سے متعلق اپنے ۱۴ر متفرق مقالات یک جا کیے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر مقالات برصغیر پاکستان و ہند کے وقیع مجلّات میں شائع ہو چکے ہیں، اور بحیثیت مجموعی پسند کیے گئے ہیں۔ مقالات کی تفصیل یہ ہے:

☆ علامہ شبلی: ایک عاشق رسول
☆ اردو زبان وادب کے ارتقا میں علامہ شبلی کا حصہ
☆ تذکرہ گلشن ہند اور علامہ شبلی
☆ کچھ ''موازنہ انیس و دبیر'' کے بارے میں
☆ ''اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر'' (بعض اعتراضات کا جائزہ)
☆ علامہ شبلی بحیثیت مدیر
☆ علامہ شبلی کے تاریخی مقالات
☆ شبلی کی اردو شاعری
☆ تصانیف شبلی کے تراجم
☆ علامہ شبلی علی گڑھ میں
☆ باقیات شبلی ایک مطالعہ
☆ حیات شبلی - ایک مطالعہ
☆ عالم اسلام میں شبلی شناسی
☆ عہد حاضر میں علامہ شبلی کی تجویزوں اور منصوبوں کی معنویت

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی علامہ شبلی کے عقیدت مندوں میں سے ہیں۔ان کی رائے میں علامہ شبلی نے اپنی متنوع تصنیفات کی شکل میں ''نہ صرف دامن اردو کو موتیوں سے بھر دیا بلکہ اسے نئی جہتوں اور بلندیوں سے آشنا کیا اور اسے ایک علمی زبان کا درجہ عطا کیا اور اس لائق بنا دیا کہ ہم دنیا کی بہترین زبانوں کے مقابلہ میں اسے فخر کے ساتھ پیش کر سکتے ہیں۔'' (ص ۳۵) مزید برآں ''گزشتہ صدی میں (برصغیر پاکستان و ہند کے) مسلمانوں میں تحقیق و تدقیق ،تلاش وتفحص اور مختلف علوم وفنون سے جو شیفتگی پیدا ہوئی، اس میں

بالواسطہ فیضان شبلی کا بڑا دخل ہے۔'' (ص۸۰) علامہ شبلی کے اس کارنامے کو دیکھتے ہوئے توقع تو یہ کی جاتی تھی کہ ان کے فکر و دانش کی تفہیم و توسیع کے لیے خوب کام کیا جاتا، مگر اے بسا آرزو کہ خاک شد۔ ڈاکٹر اعظمی کے مطالعے کی روشنی میں ''ایک صدی کے عرصے میں تقریباً دو درجن کتابیں، چار سو کے قریب مضامین و مقالات اور آٹھ رسائل کے خصوصی شمارے شبلی شناسی کی کل کائنات ہے۔'' (ص۱۵)

بلاشبہ علامہ شبلی کے سرمایۂ دانش اور ذخیرۂ ادب پر اس طرح کا کام نہیں ہوا، جس طرح کا علامہ محمد اقبال اور غالب پر ہوا ہے، جس کی اپنی وجوہ ہیں، تاہم علامہ شبلی کچھ ایسے عدم اعتنا کا بھی شکار نہیں رہے۔ ان کی بعض تصنیفات کے درجنوں ایڈیشن چھپے ہیں اور مسلسل چھپ رہے ہیں۔ مختلف زبانوں میں ان کے ترجمے ہوئے ہیں اور ان کے انداز تالیف اور فکری زاویوں کے مطابق متعدد اہل قلم نے ہزار ہا صفحات قلم بند کیے ہیں۔ علامہ شبلی ایک فرد نہیں، ایک دبستان کے طور پر پہچانے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر الیاس اعظمی نے بابائے اردو مولوی عبدالحق کی شبلی دشمنی کی بنا پر ان کی بہ تکرار گرفت کی ہے۔ اس گرفت میں علامہ شبلی کی بے جا عقیدت مندی ہی شامل نہیں ہے بلکہ گزشتہ صدی کی اشاعتی دنیا کی شہادت بھی ان کے حق میں ہے۔ مولوی عبدالحق کس قدر غلط تھے جب انھوں نے ''خطوط شبلی'' کا مقدمہ لکھتے ہوئے کہا تھا کہ ''مولانا شبلی کی تصانیف کو ابھی سے لونی لگنی شروع ہوگئی ہے اور کچھ مدت کے بعد وہ صرف کتاب خانوں میں نظر آئیں گی۔'' ڈاکٹر اعظمی نے علامہ شبلی کے مرتبہ ''تذکرہ گلشن ہند'' (تالیف مرزا علی خاں لطف) کے انداز ترتیب و تحقیق کی اہمیت واضح کرتے ہوئے اس پر مولوی صاحب کے مقدمے کی محتویات پر بھی گرفت کی ہے۔

''متعلقات شبلی'' کے یوں تو سبھی مضامین معلومات افزا ہیں، تاہم ''تذکرہ گلشن ہند اور علامہ شبلی'' کے ساتھ ''تصانیف شبلی کے تراجم''، عالم اسلام میں شبلی شناسی'' اور ''عہد

حاضر میں علامہ شبلی کی تجویزوں اور منصوبوں کی معنویت'' خاصے کی چیز ہیں۔ان مقالات میں منتشر اور ریزہ ریزہ معلومات بہت محنت سے جمع کی گئی ہیں۔

نومبر۲۰۱۴ء میں اب چار برس سے بھی کم عرصہ رہ گیا ہے۔یقیناً علامہ شبلی نعمانی کی صد سالہ برسی کے موقع پر تقریبات کا اہتمام کیا جائے گا۔ان مقالات میں ڈاکٹر اعظمی نے دو کاموں کی طرف توجہ دلائی ہے۔علامہ شبلی کے مکتوبات،خطبات اور مقالات کی ترتیب و تدوین کا فریضہ سید سلیمان ندوی نے ۱۹۴۰ء سے پہلے انجام دیا تھا،مگر ان کی مرتبہ جلدوں کی دوسری اور تیسری اشاعتوں کے بعد بھی ان میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ڈاکٹر اعظمی نے ''باقیات شبلی'' (مرتبہ مشتاق حسین) کے تعارف میں لکھا ہے:

> ''باقیات شبلی'' ۱۹۶۴ء میں شائع ہوئی،اس کے بعد بھی علامہ شبلی کی بعض تحریریں دریافت ہو کر شائع ہوئیں،ان تمام تحریروں کو مولانا سید سلیمان ندوی کے مرتب کردہ مقالات و خطبات اور مکاتیب میں شامل کرنا ضروری ہے تا کہ وہ یک جا ہو جائیں اور مطالعہ شبلی میں ان سے بھرپور استفادہ کیا جاسکے۔'' (ص۱۵۴)

اسی طرح علامہ شبلی کے مکمل کلیات کے ترتیب کی جانب بایں الفاظ توجہ دلائی گئی ہے:

> ''ان [علامہ شبلی] کے اردو کلام کے کئی ناقص مجموعے شائع ہوئے،ان میں ''کلیات شبلی'' مرتبہ مولانا سید سلیمان ندوی سب سے زیادہ جامع اور مکمل ہے،لیکن اس میں بھی ان کے ابتدائی دور کی غزلیں شامل نہیں ہیں۔چوں کہ علامہ شبلی نے اپنے ابتدائی کلام کو زمانہ جاہلیت کی یادگار بتا کر رد کر دیا تھا،غالباً اسی بنا پر مولانا سید سلیمان ندوی نے اسے کلیات میں شامل نہیں کیا۔............ان کے ایک مکمل کلیات کی ترتیب و تدوین نو کا کام باقی ہے۔'' (ص۱۱۰)

''متعلقات شبلی'' کا طباعتی معیار بہت عمدہ ہے، البتہ کتابت کی اکادکا اغلاط کھٹکتی ہیں۔ ہیسٹنگ (ص ۴۹، ہیسٹنگز) اشاعرہ (ص ۵۱، اشارہ)، بالواستہ (ص ۸۰، بالواسطہ) انجام (ص ۹۵، انجان) اور ابوالفرج ملنی (ص ۹۸، ابوالفرج بن عبری)، ان میں سے چند ایک ہیں۔ صفحہ ۵۲ (سطر ۱۰) پر ''مثنوی گلزار نسیم'' کی جگہ مثنوی سحر البیان'' لکھا جانا اور صفحہ ۷۰ پر ابومسلم خراسانی کو ابومسلم اصفہانی قلم بند کرنا کاتب سے زیادہ جناب مصنف کے سہو قلم کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ پوری کتاب میں جہاں بھی عیسوی سن لکھا گیا ہے، وہاں سن عیسوی کا مخفف (ع) سال سے پہلے درج کیا گیا ہے، یعنی ''ء۱۹۱۴'' کتابت کیا گیا۔ کیا یہ کوئی جدت ہے، یا یہ بھی کتابت کی غلطی ہے؟ اگر سن عیسوی کے اس اندراج کے پیچھے کوئی شعوری خواہش یا حکمت کارفرما ہے تو اس پر دیباچہ میں ایک دو جملے لکھے جانے کی ضرورت تھی۔ صفحہ ۸۵ پر درج کیے گئے فارسی شعر کا پہلا مصرع:

یک چراغیست دریں خانہ کہ از پرتو آں

بھی صحیح طور پر کتابت نہیں ہوسکا۔ امید ہے کہ آیندہ اشاعت میں یہ اغلاط درست کر لی جائیں گی اور ڈاکٹر اعظمی شبلی شناسی کی نئی سے نئی راہیں کھولتے رہیں گے۔

[سہ ماہی ''فکر و نظر''، اسلام آباد، جنوری - مارچ ۲۰۱۱ء، جلد ۴۸، شمارہ ۳ - ص ۱۳۹ - ۱۴۲]

مطالعات ومشاہدات
[۲۰۱۰ء]

دبستانِ شبلی کی روایت سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے جناب محمد الیاس الاعظمی کا نام اجنبی نہیں۔علامہ شبلی نعمانی کی شخصیت اور فن پر ان کے متعدد مضامین کے علاوہ ''موازنہ انیس و دبیر''اور''اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر'' کی تدوین وتحقیق ان کی قابل ذکر کاوشیں ہیں۔ان دنوں وہ علامہ شبلی کی علمی و دینی آرزوؤں کی تکمیل کے مظہر ادارے، دارالمصنّفین-اعظم گڑھ کے اعزازی رفیق ہیں،اور ادارے کے مرحوم رفقا اور ان کی خدمات پر تسلسل کے ساتھ لکھ رہے ہیں۔''علامہ سید سلیمان ندوی بحیثیت مورخ'' (پٹنہ: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری،۲۰۰۱ء)''دارالمصنّفین کی تاریخی خدمات''(پٹنہ: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری،۲۰۰۲ء)اور''شاہ معین الدین احمد ندوی: حیات و خدمات'' (اعظم گڑھ: ادبی دائرہ،۲۰۰۷ء) کے عنوانات سے ان کی تین تالیفات شائع ہو چکی ہیں، اور علامہ شبلی نعمانی کے شاگرد اور دارالمصنّفین کی بزم علمی کے مایہ ناز رکن مولانا عبدالسلام ندوی کی حیات وخدمات پر ان کی تالیف منتظرِ اشاعت ہے۔

جناب اعظمی نے مختلف مواقع پر اپنی مذکورہ بالا بنیادی دلچسپی یا وقتی محرکات کے تحت مختلف اصحاب علم کے فکر و دانش کے متنوع پہلوؤں پر قلم اٹھایا ہے،اور ان کے یہ مختصر مختصر مضامین رسائل و جرائد کی زینت بنتے رہے ہیں۔ان میں سے ۲۹ چھوٹے بڑے علمی، تنقیدی اور وفیاتی نوعیت کے مضامین انھوں نے زیرِ نظر مجموعے میں یک جا کیے

ہیں۔ جملہ مضامین کی تفصیل یہ ہے:

علمی مضامین:

☆ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے دو کارنامے (اول ''فتح الرحمٰن''، دوم ''الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف'')
☆ مولانا سعید انصاری نشتر
☆ پروفیسر نجیب اشرف ندوی (بحیثیت مترجم)
☆ سید صباح الدین عبدالرحمٰن
☆ محدث جلیل مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی
☆ ابوعلی اثری
☆ مورخ اسلام مولانا قاضی اطہر مبارک پوری
☆ مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا اسلوب نگارش
☆ ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور ماہنامہ ''الرشاد''

تنقیدی مضامین:

☆ مرزا احسان احمد
☆ رحمت الٰہی برق اعظمی کے شاعرانہ کمالات
☆ یحییٰ اعظمی کی شاعری
☆ اثر انصاری کا شعری سفر
☆ کیفی اعظمی کی شاعری میں تقلید و اجتہاد

وفیاتی مضامین:

☆ والد مرحوم حاجی عبدالرزاق
☆ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی (پرتاپ گڑھی ثم لکھنوی)

☆ پروفیسر نثار احمد فاروقی
☆ ڈاکٹر مقبول احمد
☆ مولانا شبیر ازہر میرٹھی
☆ ڈاکٹر اشفاق احمد اعظمی
☆ مولانا عبداللہ عباس ندوی
☆ مولانا سید اسعد مدنی
☆ مولانا حافظ مجیب اللہ ندوی
☆ ڈاکٹر محمد ضیاء الدین انصاری
☆ ڈاکٹر خلیل اعظمی
☆ گیان چند جین
☆ حکیم عزیز الرحمان اعظمی

جملہ تحریروں کے عنوانات سے ان کے محتویات کا اندازہ ہوجاتا ہے، ''علمی مضامین'' کے ضمن میں شخصیات پر جو کچھ لکھا گیا ہے، اس میں ان کی علمی اور تصنیفی خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے، اور ان شخصیات کی بالعموم غیر معروف یا کم معروف تحریروں اور کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ''وفیاتی مضامین'' میں جناب اعظمی نے بزرگ اصحاب علم یا اپنے ملنے والوں کی رحلت پر ذاتی تعلق کے حوالے سے تاثرات کا اظہار کیا ہے۔ ''تنقیدی مضامین'' میں اعظم گڑھ کے چند شاعروں کی شعری اور دوسری تخلیقی کاوشوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ مرزا احسان احمد (۱۸۹۵ء-۱۹۷۲ء) کے بارے میں ان کی رائے ہے کہ ''ان کی ادبی اور تنقیدی کاوشیں اور ان کی شاعری دونوں اس لائق ہیں کہ ان کا ذکر نمایاں طریقے سے کیا جائے'' (ص۱۰۸)۔ مرزا صاحب پہلے شخص تھے جنھوں نے جگر مرادآبادی کی شعرگوئی پر قلم اٹھا۔ ''مخزن'' (لاہور) بابت جنوری ۱۹۲۰ء میں شائع ہونے والے ان کے مضمون سے ''جگر کی شہرت کا آغاز ہوا'' (ص۱۰۹)۔ ایک سال بعد ۱۹۲۱ء مرزا صاحب ہی نے

جگر مرادآبادی کا پہلا مجموعۂ کلام ''داغ جگر'' اپنے مقدمے کے ساتھ شائع کیا تھا۔جگر کے توسط سے وہ اصغر گونڈوی سے شناسا ہوئے ،اور'' جگر ہی کی طرح ان کے مجموعہ کلام 'نشاط روح' کو بھی مقدمہ کے ساتھ پہلی بار شائع کرنے کا سہرا بھی مرزا صاحب ہی کے سر ہے'' (ص۱۱۰)۔مرزا صاحب کے تنقیدی مقدموں پر جو لے دے ہوئی،اس کا انھوں نے خوب خوب دفاع بھی کیا۔

''مطالعات ومشاہدات''میں اولاً اعظم گڑھ،اور ثانیاً دارالمصنّفین کو نمایاں اہمیت حاصل ہے۔علمی مضامین میں دوتہائی کا تعلق بلاواسطہ یا بالواسطہ علامہ شبلی نعمانی کے کاروان علم ودانش سے ہے۔''تنقیدی مضامین''میں پانچ کے پانچ شعرائے اعظم گڑھ کی تحلیل شاعری سے متعلق ہیں۔''وفیاتی مضامین''میں سے بھی نصف اعظم گڑھ کے اہل قلم سے متعلق ہیں۔

جناب محمد الیاس الاعظمی مضامین میں بالعموم اختصار سے کام لیتے ہیں،تاہم زیادہ سے زیادہ معلومات کا احاطہ بھی ان کے پیش نظر ہوتا ہے۔سعید انصاری دارالمصنّفین اعظم گڑھ سے وابستہ رہے تھے۔ان کی تصنیفات-''سیر الصحابیات''اور''سیر انصار'' حصہ اول ودوم-دارالمصنّفین ہی سے شائع ہوئی تھیں۔۱۹۵۰ء کے لگ بھگ وہ پاکستان آ گئے، اور یہاں اردو دائرہ معارف اسلامیہ (پنجاب یونیورسٹی-لاہور) کے ادارہ ترتیب وتدوین میں شامل ہوگئے،اور کم بیش بارہ برس بعد ۴/اکتوبر ۱۹۶۲ء کو لاہور میں فوت ہوئے۔ جناب اعظمی کا قیام لاہور سے دور اعظم گڑھ میں ہے،اس لیے وہ سعید انصاری کی قیام پاکستان کی سرگرمیوں پر مجملاً ہی لکھ سکے ہیں۔سعید انصاری نے اپنے ذاتی اشاعتی ادارے ''شبلی مرکز-لاہور'' سے جو کتابیں شائع کیں،ان میں سے صرف ''غزلیات فارسی'' (سعید انصاری) تک ہی جناب اعظمی کو رسائی حاصل ہوسکی ہے۔

اسی طرح بعض دوسری تحریروں سے بھی احساس ہوتا ہے کہ پاکستانی مطبوعات اعظم گڑھ جیسے شہر میں بآسانی دستیاب نہیں۔جناب اعظمی نے اپنے استاذ گرامی جناب

اشفاق احمد اعظمی (م:۲۰۰۵ء) کے ذکر میں ضمناً لکھا ہے: ''ان کا تحقیقی مقالہ 'نذیر احمد: شخصیت اور کارنامے' ڈپٹی نذیر احمد کے کارناموں پر پہلا بھر پور تحقیقی مقالہ تھا جو۱۹۷۴ء میں اتر پردیش اردو اکادمی کے مالی تعاون سے شائع ہوا'' (ص۱۸۱)، جب کہ اس سے تین برس پہلے۱۹۷۱ء میں جناب افتخار احمد صدیقی (م:۲۰۰۰ء) کا مقالہ ''مولوی نذیر احمد: احوال وآثار'' شائع ہو چکا تھا۔ اس کے بارے میں بھی اردو زبان و ادب کے ناقد اور تجربہ کار استاذ خواجہ محمد زکریا نے یہ رائے دی ہے: ''نذیر احمد کی حیات اور ادبی کارناموں پر بہت کچھ لکھا گیا ہے، مگر نذیر احمد کے احوال وآثار پر اس سے اچھا کام اب تک نہیں ہوا۔ اس مقالے کو پنجاب یونیورسٹی (لاہور) کے چند بہترین مقالات میں شمار کیا جاسکتا ہے''۔ (خواجہ محمد زکریا، صدیقی صاحب، مشمولہ رفیع الدین ہاشمی، عزیز ابن الحسن، ''ارمغان افتخار احمد صدیقی''، لاہور: شعبہ اردو پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج-لاہور، دسمبر ۲۰۰۹ء، ص۲۲)

مولانا سعید انصاری کچھ عرصہ ملک محمد الدین کی صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی منڈی بہاؤ الدین کے ساتھ بطور مشیر وابستہ رہے تھے۔ جناب الیاس اعظمی نے ضمناً بجا طور پر لکھا ہے: ''ضرورت ہے کہ اس (کمپنی) کی کاوشوں اور خدمات کی تفصیل بھی قلم بند ہو'' (صفحات ۵۰-۵۱)، البتہ انھیں ملک محمد الدین اور منشی محمد الدین فوق (م:۱۹۴۵ء) کے درمیان التباس ہو گیا ہے، انھوں نے سہواً ثانی الذکر کو صوفی کمپنی کا مالک قرار دے دیا ہے۔

یہ پڑھ کر بھی حیرت ہوئی کہ جناب اعظمی کو ''فاران'' (بجنور) اور ہندوستانی اکیڈمی-الہ آباد کے ششماہی مجلّے ''ہندستانی'' کی فائلیں ہندوستان میں دستیاب نہ ہوسکیں۔ (صفحات ۵۰-۵۱)

''مطالعات و مشاہدات'' سفید کاغذ پر روشن کتابت میں شائع ہوئی ہے اور مناسب جلد سے مزین ہے۔

[سہ ماہی ''فکر ونظر''، اسلام آباد، جلد ۴۷، شمارہ ۴-ص: ۱۵۵-۱۵۸]

کتابیاتِ شبلی

[۲۰۱۱ء]

مسلمانانِ برعظیم پاکستان وہند کی تہذیبی وادبی روایت کے نمائندہ مشاہیر میں ایک بڑا روشن نام علامہ شبلی نعمانی (۱۸۵۷-۱۹۱۴ء) کا ہے۔ ان کے فکر ودانش اور سرمایۂ نظم ونثر سے تین چار نسلوں نے اکتسابِ فیض کیا ہے اور ان نسلوں نے جدید تر فکر ونظر کے نئے نئے چراغ روشن کیے ہیں۔ اس مطالعہ وتجزیہ کو بیک نظر دیکھنے اور کوئی رائے قائم کرنے کے لیے ایک بنیادی ضرورت کسی جامع کتابیات کی فراہمی تھی جسے پورا کرنے کی کوشش معروف شبلی شناس جناب محمد الیاس الاعظمی نے کی ہے۔ جناب اعظمی اور ان کی تالیفات سے ''فکرونظر'' کے قارئین ایک حد تک متعارف ہیں۔ ان کی تحریریں اس کی زینت بنتی رہی ہیں اور ان کی علمی کاوشوں پر بھی اس کے صفحات میں وقتاً فوقتاً اظہار خیال کیا جاتا رہا ہے۔

علامہ شبلی نعمانی کے سرمایۂ قلم اور ان کے فکروفن پر لکھی گئی کتابوں اور مقالات کی فہرست نگاری کا آغاز جنوری ۱۹۶۰ء میں احمد اسحٰق نعمانی کی ابتدائی اور معمولی نوعیت کی کاوش ''مقالہ نما برائے شبلی'' (ماہنامہ ''آج کل''، دہلی، جنوری ۱۹۶۰ء) سے ہوا۔ اس کے بعد خوب سے خوب تر کے انداز میں جدوجہد جاری رہی۔ جناب محمد الیاس الاعظمی نے اس سلسلے کی ایک ایک کاوش کی نشاندہی کرتے ہوئے بجا طور پر لکھا ہے کہ ''کسی بھی کتابیات کے مکمل ہونے کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ (زیرِنظر) 'کتابیات

شبلی' اب تک کی تمام کوششوں سے زیادہ جامع ہے''۔ (ص۱۲)''کتابیات شبلی'' کے اسلوبِ ترتیب وتدوین کے بارے میں جناب مرتب نے لکھا ہے:

''کتابیات شبلی'' چار حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصہ میں علامہ شبلی کی تمام تصنیفات وتالیفات (ان کے) تراجم اور تلخیصات کا اشاریہ ہے۔ اسی میں علامہ شبلی کی تحریروں سے مرتب کی گئی کتابوں (مدونہ کتب) اور ان کے مضامین ومقالات کا بھی اشاریہ ہے۔ دوسرے حصہ میں علامہ شبلی کی شخصیت، خدمات اور ان کے لازوال کارناموں پر لکھی جانے والی کتابوں کے اشاریہ کے ساتھ مضامین ومقالات کا موضوعاتی اشاریہ بھی ہے۔ اس حصہ میں ہندوپاک اور دیگر ممالک کی جامعات میں ایم۔ اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے لیے جو مقالات لکھے گئے، ان کی بھی فہرست ہے۔ تیسرے حصہ میں خاص علامہ شبلی کی تصنیفات پر لکھے جانے والے مضامین ومقالات کا اشاریہ ہے۔ اسی میں انگریزی وہندی کتب ومضامین کی فہرست بھی شامل ہے۔ چوتھے اور آخری حصہ میں مصنفین رمترجمین اور مقالہ نگاروں کا اشاریہ ہے۔ (ص:۱۲-۱۳)

علامہ شبلی کی مولفہ کتب اور ان کی تحریروں پر مشتمل مرتبہ مجموعوں کی جو فہرست الف بائی ترتیب سے حصہ اول میں دی گئی ہے، اس میں جناب مرتب نے کوشش کی ہے کہ ان کتابوں کی جملہ اشاعتوں کے بارے میں بنیادی کوائف یک جا ہو جائیں۔ کتابوں کی مختلف اشاعتوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض تصانیف شبلی کی اکا دکا اشاعتیں جناب مرتب کی نظر میں نہیں آسکیں۔ تاہم ان اطلاعات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ علامہ شبلی کی کس کتاب کو کتنی مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ ان کی مقبول ترین تالیف ''الفاروق'' ہے جس کی ۱۴۲ اشاعتوں کا اندراج کیا گیا ہے۔ الف بائی ترتیب میں ''ال تعریف'' کو الفاظ کا لازمی جز سمجھا گیا ہے۔ اور ''الجزیہ''، ''الغزالی'' اور ''الفاروق'' وغیرہ کو بالترتیب

ج، غ اور ف کے تحت درج کرنے کے بجائے ''الف'' کے تحت درج کیا گیا ہے۔

''کتابیات شبلی'' میں کتابوں کے اندراج میں عنوانِ کتاب، مصنف یا مؤلف و مرتب، ناشر، جائے اشاعت، سال اشاعت اور تعدادِ صفحات دی گئی ہے۔ کسی مجموعۂ مضامین میں شامل تحریر کا اندراج عنوان تحریر سے کیا گیا ہے۔ اور متعلقہ مجموعۂ مضامین کے بارے میں مذکورہ اطلاعات کے ساتھ تحریر کے صفحات کا اندراج کیا گیا ہے۔ اور اگر تحریر کسی رسالے یا جریدے میں شائع ہوئی ہے تو جریدے کا نام، ماہ وسالِ اشاعت اور جریدے کے متعلقہ صفحات کا اندراج کر دیا گیا ہے۔ ایسے مقالات جو لکھنے والوں کے حوالے سے ان کے مختلف مجموعہ ہائے مضامین میں شامل ہیں، یا مختلف رسائل وجرائد میں نقل کیے جاتے رہے ہیں، ان کی مکرر اشاعتوں کی نشاندہی کا اہتمام بھی کیا گیا ہے۔ ''کتابیات شبلی'' کے جملہ اندراجات کی تعداد جناب مرتب کی ترتیب وتدوین اور شمار کے مطابق ایک ہزار سات سو ایک (۱۷۰۱) ہے۔ اگرچہ بعض اندراجات مکرر، سہ کرر شمار کر لیے گئے ہیں۔

کتابیات کا حصہ دوم (مطالعات شبلی) اور حصہ سوم (تنقید وتجزیۂ تصانیف شبلی) ذیلی اجزا میں منقسم ہیں۔ حصہ دوم کے مقالات ومضامین ۳۹ ذیلی موضوعات میں منقسم ہیں اور حصہ سوم کے مقالات علامہ شبلی نعمانی کی تصانیف کے حوالے سے منقسم ہیں۔

کسی بھی موضوع پر کتابیات کو کتنے اجزا میں تقسیم کیا جائے اور کیا ذیلی عنوانات تجویز کیے جائیں؟ چند موٹے موٹے ضوابط کے باوجود مفصل تقسیم اور اجزا بندی کا انحصار مرتبِ کتابیات کے ذوقِ نظر اور حیطۂ معلومات پر ہے۔ البتہ ذیلی عنوانات طے کر دیے جانے کے بعد مرتب کی کامیابی یا ناکامی اس بات پر منحصر ہے کہ وہ مختلف کتب ومقالات کو اپنے متعین عنوانات کے تحت درج کر سکا ہے یا نہیں۔ اس سلسلے میں یہ بھی واضح کرنا ضروری ہے کہ بعض مقالات اپنے مباحث کے اعتبار سے ایک سے زائد عنوانات کے

تحت آسکتے ہیں ۔ ایسے مقالات کو پہلی بار تو پوری تفصیلات کے ساتھ درج کیا جانا چاہیے اور جہاں بارِ دگران کے حوالے کی ضرورت ہو، وہاں سابقہ اندراج کی طرف اشارہ کر دیا جائے ۔

جناب محمد الیاس الاعظمی کے ہاں بعض مقامات پر کتب ومقالات اپنے متعین ذیلی موضوع کے تحت درج نہیں ہو سکے ۔ ایک ایک اندراج کا ذکر کر کے اس کی نشان دہی کرنا مقصود نہیں ہے ۔ یہاں دو چار مثالیں پیش کی جاتی ہیں ۔ حصہ دوم (مطالعات شبلی) میں ایک عنوان ''دریافت'' تجویز کیا گیا ہے ۔ ۹۹۵-۱۰۰۸ تک کے اندراجات پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں علامہ شبلی کی متفرق تحریروں کا اندراج ہے جو دارالمصنّفین، اعظم گڑھ کے رفقا کی مرتبہ کتب (''مقالات''، ''مکاتیب'' یا ''خطبات'' وغیرہ) میں جگہ نہیں پا سکی تھیں ۔ اوران کے شائع ہو جانے کے بعد رسائل وجرائد کے ذریعے سامنے آئی تھیں ۔ اندراج ۱۳۷۳ اور مکرر اندراج ۱۵۲۳ (علم کلام پر علامہ شبلی کا ایک نایاب لیکچر) اور اسی طرح اندراجات ۱۳۷۲، ۱۳۷۴ اور اس کے معاً بعد کے اندراج (جس کا شمار نہیں کیا جا سکا) کو اولاً ''دریافت'' کے تحت آنا چاہیے تھا اور پھر دوسرے مقامات پر بطور Cross referance

حصہ سوم (تنقید وتجزیۂ تصانیفِ شبلی) میں ''خطوط شبلی'' اور ''مکاتیب شبلی'' کے دو عنوانات طے کیے گئے ہیں ۔ بلاشبہ ان عنوانات کے مجموعے موجود ہیں، مگر ان کے تحت جو متعدد اندراجات ہیں، وہ براہ راست ان مجموعوں سے متعلق نہیں ۔ اور بعض ایسی تحریریں ہیں جو دونوں سے متعلق ہیں ۔ مزید برآں ''خطوط'' اور ''مکاتیب'' کے الفاظ تو علامہ شبلی کی مراسلت مرتب کرنے والوں کے تجویز کردہ ہیں اور معناً یہ سبھی مکتوبات ہیں ۔ ان کے بجائے اگر ایک عنوان ''علامہ شبلی کی مکتوب نگاری'' ہوتا اور ایک عنوان ''علامہ شبلی کی شخصیت مکاتیب کے آئینے میں'' تو زیادہ مناسب ہوتا ۔

ہمارے ہاں **الانسان مرکب من الخطاء و النسیان** کی آڑ تو ہے ہی مگر سچی بات یہ ہے کہ تصنیف وتالیف اور طباعت کی ہر دو سطح پر وہ اہتمام نہیں کیا جاتا، جس کی واقعتاً ضرورت ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری تالیفات میں مغربی دنیا کے علمی مطالعات کی نسبت اغلاط کچھ زیادہ ہی ہوتی ہیں۔ اغلاط عام کتابوں میں ہوں یا رہنمائے کتب طرز کی کاوش میں، اصولاً قابل گرفت ہیں، مگر ''کتابیات'' کی غلطی بعض اوقات زیادہ بڑی محسوس ہوتی ہے کیونکہ ''کتابیات'' میں فراہم کردہ اطلاعات کے تحت ضرورت مند متعین کتاب یا مقالے تک پہنچتے ہیں اور بعض اوقات ان کے حصول میں ان کا خاصا وقت اور کچھ پیسا بھی خرچ ہوجاتا ہے۔ اگر کتاب یا مقالہ حاصل کرنے کے بعد یہ معلوم ہو کہ ''کتابیات'' میں جو اطلاعات دی گئی تھیں، وہ غلط تھیں تو ضرورت مند کی پریشانی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

علامہ شبلی کی کتابیات کے حوالے سے ماضی میں جو کاوشیں ہوئی ہیں، وہ غلطیوں سے پاک نہیں، مرتب نے کچھ لکھا تھا اور کاتب نے کچھ اور سمجھ لیا۔ اور اگر کاتب نے مرتب کی تحریر درست لکھ دی تو پروف درست کرنے والے نے اپنی دانست میں ''تصحیح'' کرتے ہوئے درست کو نادرست بنادیا۔ ''کتاب نامہ شبلی'' (مرتبہ: اختر راہی) ہو یا ''جہان شبلی'' (مرتبہ محمد ضیاء الدین انصاری) ان کے بعض اندراجات ناقص ہیں، مصنّفین یا مقالہ نگاروں کے نام غلط ہوگئے ہیں، اس لیے موضوع پر کسی بھی جدید تر کاوش سے شبلی شناسوں کی یہ توقع بے جا نہیں کہ سابق مرتبین کی اغلاط نہ دہرائی جائیں اور ان کے اندراجات کی ہر طرح تصحیح و تکمیل کردی جائے۔ مگر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جناب محمد الیاس الاعظمی نے اپنے پیش رووں پر غیر ضروری اعتماد کیا ہے اور ان کے دیے ہوئے ہر اندراج کی بچشم خود پڑتال نہیں کی اور ان کی بعض اغلاط دہرا دی ہیں اور کہیں کہیں یہ احساس بھی پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے جو مزید اندراجات فراہم کیے ہیں ان کے لیے بھی ثانوی مآخذ

سے استفادہ کیا گیا ہے۔نمونے کے طور پر چند اندراجات کا جائزہ لیا جاتا ہے:

☆ حصہ دوم (مطالعات شبلی) میں پہلی کتاب (اندراج ۳۹۸) ''اردو کا بہترین انشاپرداز، [مولفہ] وحید قریشی'' درج کی گئی ہے۔ڈاکٹر وحید قریشی (۲۰۰۹ء) کی تالیف کا درست عنوان ''اردو کا بہترین انشائی ادب (رجب علی بیگ سرور سے دور حاضر تک)'' ہے۔

☆ صفحہ ۱۵۲ا ر پر ''شبلی اور ابوالکلام آزاد'' کے تحت ایک اندراج محمد دین تاثیر کی تحریر کا ہے۔اس تحریر میں مولانا ابوالکلام آزاد کا کوئی ذکر نہیں، بلکہ محمد حسین آزاد اور علامہ شبلی نعمانی کے اسلوب کا تقابل کیا گیا ہے۔

☆ بعض اہل قلم نے علامہ شبلی نعمانی کی سوانح حیات یا فکر و دانش کے حوالے سے مختلف اہداف کے تحت وقتاً فوقتاً قلم اٹھایا ہے،عنوان بھی ایک جیسا رکھا ہے،مگر تحریریں بعض معلومات کے اشتراک کے باوجود الگ الگ ہیں۔ان تحریروں میں فرق نہیں کیا جاسکا اور انہیں ایک ہی اندراج کے تحت درج کر دیا گیا ہے۔مثال کے طور پر اندراج ۷۶۴ میں سید عبداللہ (۱۹۸۶ء) کی تحریر ''شبلی'' کا اندراج ہے۔انہوں نے ''اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ'' (دانش گاہ پنجاب۔لاہور) کے لیے مقالہ لکھا،ان کی تالیف ''سرسید اور ان کے نامور رفقاء کی اردو نثر کا فنی اور فکری جائزہ'' میں علامہ شبلی کی نثر کا مختلف انداز میں جائزہ لیا گیا ہے۔اور ''طیف نثر'' ان کے کلاس لیکچرز کا مجموعہ ہے۔ان تین کتابوں میں تین مختلف تحریریں ہیں،اگرچہ تینوں کا موضوع علامہ شبلی نعمانی ہیں۔

یہی کیفیت اندراج ۷۹۸ کی ہے۔اس میں شیخ محمد اکرام (۱۹۷۳ء) کی ایک تحریر کا ان کی تالیفات ''موجِ کوثر'' اور ''ارمغان پاک'' کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے۔ ''موج کوثر'' میں شیخ محمد اکرام نے علامہ شبلی نعمانی کا ذکر سرسید احمد خاں کی تحریک کے رد عمل کے طور پر کیا ہے اور مبحث دینی و سیاسی افکار ہیں،جب کہ ''ارمغان پاک'' برعظیم کی

فارسی شاعری کا تعارف اور انتخاب ہے۔ان دو مختلف تحریروں کو الگ الگ کیا جانا چاہیے تھا۔

حصہ سوم (تنقید و تجزیۂ تصانیف شبلی) میں علامہ شبلی نعمانی کی ''شعر العجم'' پر حافظ محمود شیرانی (۱۹۴۶ء) کی ''تنقید شعر العجم'' کے حوالے سے ماہنامہ ''برہان'' (دہلی) کے یہ تین اندراجات ہیں:

(۱۴۷۳) تنقید شعر العجم تبصرہ، م ح، ماہنامہ برہان، دہلی، فروری ۱۹۴۴ء، ص ۱۵۹-۱۶۰

(۱۴۷۷) تنقید شعر العجم تبصرہ عتیق الرحمٰن عثمانی، ماہنامہ برہان، دہلی، فروری ۱۹۲۴ء

(۱۴۷۹) تنقید شعر العجم مؤلفہ محمود شیرانی، محمد یوسف اصلاحی، ماہنامہ برہان، دہلی، فروری ۱۹۴۴ء، ص ص ۱۵۹-۱۶۰

اندراج ۱۴۷۷ تو اس لیے بالبداہت غلط ہے کہ فروری ۱۹۲۴ء میں نہ ماہنامہ ''برہان'' کا کوئی وجود تھا اور نہ اس وقت تک حافظ محمود شیرانی کی کتاب شائع ہوئی تھی۔ ماہنامہ ''برہان'' کا پہلا شمارہ جولائی ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا تھا۔

اندراج ۱۴۷۳ میں ''برہان'' کے ایک ہی شمارے اور یکساں صفحات کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ تبصرہ دو مختلف افراد کی طرف کس طرح منسوب ہوسکتا ہے جب کہ ''م ح'' ''محمد یوسف اصلاحی کا مخفف بھی بظاہر نہیں بن سکتا۔

''کتابیات شبلی'' کی ورق گردانی کرتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مصنّفین اور مقالہ نگاروں کے نام درست طور پر نہیں لکھے جاسکے۔ کچھ نام یہ ہیں (قوسین میں اندراج نمبر کے ساتھ ''کتابیات'' میں دیا ہوا نام بھی درج کر دیا گیا ہے) سید محمود آزاد (۴۱۵، سید محمد آزاد) محمد اسحاق شمس (۴۲۳، محمد اسحاق شمسی) خان رشید (۵۴۶، رشید خاں) افضل حق

قرشی (۵۷۰، ۶۲۷، ۱۰۰۶، افضل حق قریشی)، محمد بشیر چٹھہ (۶۴۰، محمد بشیر چھٹہ) ہارون الرشید (۶۴۳-۶۴۴، ہارون رشید)، بشیر احمد میاں (۶۶۶، بشیر الدین احمد میاں)، ممتاز منگلوری (۶۶۹، ممتاز بنگلوری)، نعیم تقوی (۱۶۴۱، نعیم نقوی) احراز نقوی (۱۵۶۵، احرار نقوی) محمد منور (۱۶۳۳، محمد منصور)۔ اسی طرح ''یادگار نظر'' (۱۶۳۴) کو ''یادگار جگر'' بنادیا گیا ہے۔ اندراج ۸۰۷ میں ''مضامین شرر'' کے ناشر کے طور پر مجلس ترقی ادب لاہور کا نام دیا گیا ہے جو ہماری معلومات کی حد تک درست اطلاع نہیں۔

ایسے اندراجات کی تعداد کافی زیادہ ہے جن کے عنوانات میں کسی لفظ کی کمی بیشی ہوگئی ہے یا الفاظ میں تقدم وتاخر ہوگیا ہے۔ کتابوں اور مقالات کے ماہ وسالہائے اشاعت میں بھی غلطیاں موجود ہیں۔ ایسے اندرجات جو نامکمل ہیں یا ان کے متعلقہ صفحات درست نہیں، ان کی تعداد بھی پانچ سات فیصد سے کم نہ ہوگی۔

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی نے ''کتابیات شبلی'' کو نہایت عمدہ معیار پر شائع کیا ہے اور اس وقت تک بجا طور پر اپنے موضوع پر ایک منفرد کاوش ہے۔

[سہ ماہی فکر ونظر اسلام آباد، جلد ۴۹ شمارہ ۴ص: ۱۳۷-۱۴۲]

''مکتوباتِ شبلی'' پر ایک نظر
[۲۰۱۲ء]

(۱)

علامہ شبلی نعمانی (م:۱۹۱۴ء) کے مکتوبات کی جمع و تدوین کا کام ان کے حین حیات سید سلیمان ندوی (م:۱۹۵۳ء) نے شروع کر دیا تھا۔(۱) انھوں نے جب اکتوبر ۱۹۰۹ء کے شمارۂ ''الندوہ'' کے ذریعے اپنے ارادے کو وسیع تر حلقے تک پہنچایا تو ان کے بقول: ''اطراف ملک سے کئی ہزار خطوط کا مجموعہ جمع ہو گیا۔''(۲) مکتوبات کی اس فراہمی میں خود علامہ شبلی نے بھی اپنے احباب کو اس جانب توجہ دلائی۔(۳) مکتوبات کا ایک ذخیرہ تو جمع ہو گیا، مگر سید صاحب دوسری مصروفیات کے سبب اس جانب توجہ نہ دے سکے اور یہ کام وقتی طور پر گوشۂ خمول میں چلا گیا۔

علامہ شبلی کی رحلت کے بعد ترتیب مکتوبات کی اطلاع دوبارہ شائع کی گئی تو ''کثرت سے ہر طرف سے خطوط کی بارش'' ہوگئی۔ سید صاحب نے دستیاب جملہ مکتوبات مرتب نہ کیے، بلکہ ان کا انتخاب مرتب کیا۔ ان کے اپنے الفاظ میں:

> ''میں نے صرف ان خطوط کا انتخاب کیا ہے جن سے یا تو مولانا کے ذاتی سوانح کا کوئی واقعہ ظاہر ہوتا ہے، یا ان میں کسی علمی، اصلاحی اور قومی مسئلہ کا ذکر ہے، یا انشا پردازی کا ان میں کوئی نمونہ موجود ہے۔ انھیں اصول ہائے ثلاثہ کی رہبری سے ہزاروں خطوط کے انبار سے یہ چند دانے چھانٹ کر الگ کیے گئے ہیں۔''(۴)

سید صاحب کے مرتبہ مجموعے ''مکاتیب شبلی'' کے دو حصوں میں سے پہلا ۱۹۱۶ء

میں، اور دوسرا ۱۹۱۷ء میں شائع ہوا۔ سید صاحب ''مکاتیب شبلی'' کے دوسرے حصے کی ترتیب و تدوین سے فارغ ہو گئے تھے، مگر اس کے بعد بھی مکتوبات کی ''آمد کا تار نہ ٹوٹا، (۵) چنانچہ'' مکاتیب شبلی'' کی دوسری اشاعت (حصہ اول ۱۹۲۸ء؛ حصہ دوم ۱۹۲۷ء) میں چند مزید مکتوبات شامل کیے گئے۔

سید صاحب کی اس کاوش سے علامہ شبلی کے مکتوبات کا ایک وقیع ذخیرہ جمع ہو گیا جو اگرچہ انبار میں سے چند دانوں کے مترادف تھا، تاہم یہ ذخیرہ مطالعہ شبلی کا ایک بنیادی ماخذ ثابت ہوا۔ اس موقع پر یہ سوال ذہن میں ابھرتا ہے کہ وہ مکتوبات جو سید صاحب کے معیار انتخاب پر پورے نہ اتر سکے، ان کا کیا بنا؟ دارالمصنّفین۔اعظم گڑھ میں، یا کہیں اور محفوظ ہیں؟ البتہ بعد میں سامنے آنے والے مکتوبات شبلی سے یہ واضح ہے کہ جو مکتوبات ''مکاتیب شبلی'' کا حصہ نہ بن سکے، وہ بعض مکتوب الیہم کے پاس محفوظ رہے ہیں۔

(۲)

سید سلیمان ندوی کی مذکورہ کاوش کے حصہ دوم کی اولیں اشاعت کے نو برس بعد ۱۹۲۶ء میں علامہ شبلی کے ایک سو مکتوبات کا مجموعہ۔''خطوط شبلی''۔مولوی محمد امین زبیری (م:۱۹۵۸ء) اور منشی سید یوسف قیصر کی ترتیب و تدوین اور مولوی عبدالحق (م:۱۹۶۱ء) کے مقدمے کے ساتھ شائع ہوا۔ (آگرہ: شمسی مشین پریس، ۱۹۲۶ء)۔(۶) اس مجموعے کے جملہ مکتوبات بمبئی کے ایک سلیمانی بوہرہ خانوادے کی دو بہنوں زہرا بیگم فیضی (م: ۱۹۴۰ء) اور عطیہ بیگم فیضی (م:۱۹۶۱ء) کے نام ہیں۔ علامہ شبلی کے مکتوبات کی طرح ان کی متفرق تحریروں اور تقریروں کی ترتیب و تدوین کی طرف سید سلیمان ندوی اور ان کے رفیق کار مولانا عبد السلام ندوی (م:۱۹۵۶ء) نے توجہ دی۔ سید صاحب نے ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۸ء تک کے عرصے میں ''مقالات شبلی'' کی آٹھ جلدیں مرتب کر دیں۔ عبدالسلام ندوی نے ''خطبات شبلی'' کو یک جا کر دیا، مگر ان حضرات کی پوری کوشش کے باوجود بعض

تحریریں-مقالات، خطبات اور یادداشتیں-ان کی نظر میں نہ آسکیں۔علامہ شبلی کے فکر و نظر سے دلچسپی رکھنے والے حضرات وقتاً فوقتاً ان کی نشان دہی کرتے رہے، یا قند مکرر کے طور پر شائع کرتے رہے۔اپریل ۱۹۶۴ء تک سامنے آنے والی متفرق تحریروں کو، جو جناب مشتاق حسین کی نظر میں آئیں، انھوں نے ''باقیات شبلی'' کے نام سے مرتب کیا (لاہور: مجلس ترقی ادب، مئی ۱۹۶۵ء)۔''باقیات شبلی'' میں دوسری تحریروں کے ساتھ ۵۷ مکتوبات بھی یک جا ہوئے ہیں۔

۱۹۸۸ء میں مولانا ابوالکلام آزاد (م: ۱۹۵۸ء) کے صد سالہ جشن ولادت کے موقع پر جناب سید محمد حسنین کا مرتبہ مجموعہ ''خطوط شبلی بنام آزاد (بقلم شبلی) چھپا (پٹنہ: بہار اردو اکادمی) جس میں جملہ مکتوبات کے عکسوں کے ساتھ ۱۷ غیر مطبوعہ مکتوبات و رقعات بھی شامل ہیں، جو''مکاتیب شبلی، حصہ اول'' میں مولانا آزاد کے نام مکتوبات کے ساتھ شائع نہ ہو سکے تھے۔

۲۰۱۲ء کے اواخر میں جناب محمد الیاس الاعظمی نے زیرنظر ''مکتوبات شبلی'' کا مجموعہ مرتب کیا جس میں ''مکاتیب شبلی'' (حصہ اول و حصہ دوم) اور ''خطوط شبلی'' میں شامل مکتوبات کے علاوہ حتی الوسع اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے ۲۱۰ مطبوعہ و غیر مطبوعہ مکتوبات یک جا ہوئے ہیں۔غیر مطبوعہ مکتوبات کی تعداد ۹ ہے۔

(۳)

جناب محمد الیاس الاعظمی نے چند برسوں میں یکے بعد دیگرے ''متعلقات شبلی''، ''کتابیات شبلی''، ''شبلی-سخن وروں کی نظر میں'' اور زیرنظر ''مکتوبات شبلی'' کی تالیف و تدوین اور ان کے ساتھ علا شبلی کی دو اہم کتابوں-''اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر'' اور ''موازنہ انیس و دبیر'' کی جدید اشاعتیں تیار کر کے معاصر شبلی شناسوں میں نمایاں مقام بنالیا ہے۔ پروفیسر خورشید نعمانی رودولوی نے بجا طور پر لکھا ہے:''جس جوش و جذبہ اور

خلوص کے ساتھ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے شبلی شناسی کو اپنی زندگی کا مشن بنالیا ہے، وہ قابل صد تحسین و آفرین ہے اور (وہ) اس شعر کے معنوی مصداق بھی۔--شادم از زندگی خویش کہ کارکردم۔'' (۷)

''مکتوبات شبلی'' میں بعض ان مشاہیر کے نام مکتوبات شامل ہیں جن کے نام مکتوبات کا بڑا حصہ سید صاحب کے مرتبہ ''مکاتیب شبلی'' میں شائع ہوگیا تھا۔ سرسید احمد خان (م: ۱۸۹۸ء)، نواب محسن الملک (م: ۱۹۰۷ء)، سید عبدالحئ ناظم ندوۃ العلما (م: ۱۹۲۳ء)، مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی (م: ۱۹۵۰ء)، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا عبدالماجد دریا آبادی (م: ۱۹۷۷ء) انھیں میں شامل ہیں۔ اس طرح ''مکتوبات شبلی'' ایک حد تک ''مکاتیب شبلی'' کا تکملہ بن گیا ہے۔

''مکتوبات شبلی کے مکتوبات سے بقول مرتب: ''سوانح شبلی کے بعض نئے گوشے سامنے آئے ہیں۔'' (۸) ایک مکتوب جو انھوں نے پیارے لال شاکر میرٹھی (م: ۱۹۵۶ء)، مدیر ماہنامہ ادیب (الہ آباد) کو ستمبر ۱۹۱۲ء میں ان کے سوال نامے کے جواب میں لکھا تھا۔ سوال نامہ تو سامنے نہیں مگر جوابات سے سوالوں کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ یہ مکتوب ان کے ''تعارف بقلم خود'' کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں انھوں نے لکھا ہے:

> علمی شوق والد اور گھر کی تربیت کا اثر تھا۔ خاندان میں علم کا چرچا تھا اور تمام بزرگ مصروف علم تھے۔ اس زمانہ کی طالب علمی بہت مشکل تھی، یکہ پر سفر کرتے تھے، پیدل بھی جانا پڑتا تھا۔ یہ سب میں نے خوشی سے گوارا کیا تھا۔ دو دفعہ والد کی اجازت کے بغیر چپکے نکل گیا۔ یہ خاص التزام رہا کہ ہر فن مثلاً ادب، منطق، حدیث، اصول فقہ کے لیے انہی علما کے پاس دور دراز کا سفر کر کے گیا جو ان علوم میں تمام ہندوستان میں ممتاز تھے، مثلاً حدیث کے لیے مولانا احمد علی سہارن پوری، ادب کے لیے مولانا فیض الحسن لاہور میں۔ والد اور تمام خاندان کی مرضی بلکہ

حکم تھا کہ میں علمی مشاغل چھوڑ کر وکالت اور ملازمت کروں، چنانچہ مجبور ہو کر امتحان دیا اور کامیاب ہوا۔ چند روز وکالت کی، لیکن وکالت اور ملازمت سب چھوڑ دی اور علمی اشغال میں مصروف ہوا اور اس لیے معمولی معاوضہ پر اول علی گڑھ کی پروفیسری کی (۴۰ روپے ماہوار پر) متعدد دفعہ حیدرآباد اور دیگر ریاستوں میں بیش قرار تنخواہ پر بلایا گیا، لیکن علمی مشغلہ کو چھوڑ کر نہ گیا۔ حیدرآباد سے جو معمولی وظیفہ مقرر ہے، اس پر قناعت کی۔ ریاستوں نے صلے اور نذرانے دیے اور دینے چاہے، لیکن ہمیشہ انکار کیا اور واپس کر دیا۔ رائے میں ہمیشہ آزاد رہا۔ سرسید کے ساتھ ۱۶ برس رہا، لیکن پولیٹکل مسائل میں ہمیشہ ان سے مخالف رہا، اور کانگریس کو پسند کرتا رہا اور سرسید سے بارہا بحثیں رہیں۔ سفر ترکی و مصر صرف علمی تحقیقات کے لیے کیا اور تمام مصارف خود گوارا کیے۔ ریاست رام پور نے مصارف دینے چاہے، انکار کیا۔ بزرگوں نے قسطنطنیہ میں روپے بھیجے، وہ بھی واپس کر دیے۔ ہمیشہ بڑے بڑے اہم مقاصد پیش نظر رہے۔ وطن، یعنی اعظم گڑھ میں مسلمانوں کا کوئی اسکول نہ تھا اور مسلمان انگریزی سے الگ تھے۔ میں نے نیشنل ہائی اسکول قائم کیا، اس کے اکثر مصارف خود ادا کیے۔ پھر ندوہ کی تحریک میں جزو غالب اور جب ندوہ بالکل مر گیا تھا تو اس کو از سر نو زندہ کر کے ترقی دی۔ تصنیفات میں خاص یہ خیال رہا کہ مستقل شاخیں مکمل کر دوں، چنانچہ علم کلام، تاریخ، لٹریچر تین شاخوں پر سیریز تیار کر دی۔ فارسی شاعری میں زبان کو اہل زبان کے اصول پر برتا۔ ملازمت تو اکثر علمی ہی اختیار کی، لیکن وکالت اور سرکاری ملازمت کے زمانہ میں بھی درس و تدریس کا مشغلہ جاری رکھا اور یہ فطرت تھی۔ بچپن سے میری صحبت بدچلن لوگوں میں تھی اور وہ لوگ ہمیشہ ان مشاغل کی تحریک کرتے تھے، لیکن کبھی ناچ رنگ، بلکہ گانے میں بھی شریک نہ ہوا۔ جب راج کشن پرشاد وزیر ہوئے اور

حسب دستور نذر دینے گیا تو ان کے ایڈی کانگ نے کہا کہ آپ نے تو
تہنیت کا قصیدہ لکھا ہوگا؟ میں نے کہا، یہ اوروں کا پیشہ ہے، میں یہ کام
نہیں کرتا، اس پر ردوبدل ہوئی اور میں نے ناگواری کے ساتھ جواب دیا
کہ ''میں کسی کی مدح نہیں کرتا۔'' قلمی اور نایاب کتابیں بہت بہم
پہنچائیں اور کثرت سے مطالعہ کیں۔(۹)

''مکتوبات شبلی'' میں قدیم ترین مکتوب سرسید احمد خاں کے نام جنوری ۱۸۷۹ء کا ہے اور آخری ایک سطری رقعہ ۲۹ جولائی ۱۹۱۴ء کا، ان کے لٹریری اسسٹنٹ مولانا عبدالماجد دریابادی کے نام۔

ان مکتوبات میں علی گڑھ کی ملازمت اور مصروفیات، سفرترکی دمصر، انجمن ترقی اردو، حیدر آباد دکن سے قطع تعلق، بعد کے منصوبوں اور خواہشوں، ان منصوبوں کی ناکامیوں اور کامیابیوں، ندوالعلما کے معاملات اور ذاتی تصنیف و تالیف اور اشاعت کتب کے ساتھ بالخصوص ''سیرۃ النبی'' کی تالیف، نیز بعض کتابوں پر ان کی رائے وغیرہ جیسے امور کے مختلف پہلو سامنے آتے ہیں۔

جہاں تک ''مکتوبات شبلی'' کی تدوین کا تعلق ہے، اس میں جناب مرتب و مدون نے مندرجہ ذیل باتوں کا اہتمام کیا ہے:

☆ ہر مکتوب الیہ کے نام جتنے مکتوبات ہیں، انھیں تاریخی ترتیب سے یک جا رکھا گیا ہے، اور مکتوب الیہم کی ترتیب میں ان کے سال ولادت کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

☆ ممکن حد تک مکتوب الیہ، اور مکتوبات میں مذکور اشخاص کے تعارف لکھے گئے ہیں۔تعارف میں یہ پہلو پیش نظر رکھا گیا ہے کہ مکتوب نگار علامہ شبلی کے ساتھ ان کے تعلقات کیسے تھے۔

☆ ہر مطبوعہ مکتوب جہاں جہاں چھپا ہے، ممکنہ معلومات کی حد تک بقید صفحات مآخذ

کی نشان دہی کی گئی ہے، اور غیر مطبوعہ مکتوبات کی صورت میں ان افراد کا ذکر کیا گیا ہے جنھوں نے مکتوبات فراہم کیے ہیں۔

☆ مکتوبات میں علامہ شبلی کے طرز املا اور ان کے استعمالِ رموز اوقاف کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ غیر مطبوعہ مکتوبات جن کے عکس سامنے تھے، انھیں متعین طرز املا اور رموز اوقاف کے ساتھ نقل کرنے میں کوئی دقت نہ تھی، البتہ مطبوعہ مکتوبات (جن کے اصل متون سامنے نہ تھے) کے حوالے سے جناب مرتب نے اپنے بقول: ''کوشش کی ہے کہ وہی رموز استعمال کیے جائیں جنھیں (کذا: جو) علامہ شبلی نے اپنے دیگر خطوط میں استعمال کیے ہیں۔''(۱۰)

☆ ''مکتوباتِ شبلی'' میں اشخاص، کتب و رسائل اور مقامات کے الگ الگ اشاریے شامل کیے گئے ہیں۔

(۴)

مجموعہ ''مکتوباتِ شبلی'' میں کتابت کی اغلاط کے ساتھ نقل در نقل منتقل ہونے والی بھی بعض اغلاط ہیں۔ مثال کے طور پر مولانا ابوالکلام آزاد کے نام ایک مکتوب میں یہ اطلاع ہے: ''حجۃ اللہ شیرستانی نے ہیئت میں ایک کتاب لکھی ہے۔''(۱۱) مکتوب کی یہ قرأت (reading) ''خطوطِ شبلی بنام آزاد'' (بقلمِ شبلی) کے مرتب کی ہے، انھوں نے ہیئت کی کتاب کے مصنف کا نام غلط پڑھا ہے، ان کے فراہم کردہ عکس سے یہ نام ہبۃ اللہ شہرستانی پڑھا جاتا ہے۔(۱۲) ''مکتوباتِ شبلی'' کے مرتب نے ''خطوطِ شبلی بنام آزاد'' (بقلمِ شبلی) کی فراہم کردہ قرأت پر انحصار کیا۔

جناب مرتب نے مکتوبات میں مذکور متعدد اشخاص کے بارے میں حواشی میں لکھا ہے: ''تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔'' غیر معروف اشخاص کے بارے میں معلومات کا نہ ملنا چنداں پریشان کن نہیں، لیکن بعض بہت ہی معروف اشخاص، مثلاً مولوی یوسف کلکتوی

(ص۱۱۰)، شیخ غلام صادق (ص۱۱۱)، مولانا عبدالجبار غزنوی (ص۱۱۱)، مولوی ناصر حسین (ص۲۰۰)، نورالدین قادیانی (ص۲۰۲) اور فارسی شاعر ناصر علی سرہندی (ص۹۲) کے بارے میں معلومات کی عدم دستیابی کی اطلاع کوئی اچھا تاثر قائم نہیں کرتی۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جناب مرتب کے پاس کتاب کی ترتیب اور اس کے حواشی کے لیے مناسب وقت نہیں تھا۔ رواروی کے نتیجے میں سہو ہائے قلم کی تعداد بڑھ گئی ہے۔ نواب سید حسن الملک کو ''راجہ مہدی علی خاں محسن الملک'' لکھا گیا ہے۔ آرنلڈ کی ایک کتاب کے نام ''**سواء السبیل الی معرفۃ المعرب والدخیل**'' میں لفظ ''مُعَرب'' کو ''مغرب'' پڑھ لیا گیا ہے۔ رواروی کی ایک مثال یہ ہے کہ علامہ شبلی نعمانی نے انجمن ترقی اردو کے لیے مختلف کتابوں کے اردو تراجم کو جانچنے کے لیے جو پینل (panel) بنایا تھا، اس میں ایک نام مولوی مسعود علی کا تھا۔ جناب مرتب نے ''مولوی مسعود علی'' سے دارالمصنّفین-اعظم گڑھ کے منتظم مولانا مسعود علی ندوی (م:۱۹۶۷ء) مراد لیے، اور ان پر تقریباً ایک صفحے کا سوانحی حاشیہ لکھ دیا۔ ان کا ذہن اس جانب نہ جا سکا کہ ۱۸۸۹ء میں پیدا ہونے والے مسعود علی ندوی، ۱۹۰۴ء میں (جب یہ پینل بنایا گیا تھا) بہ مشکل پندرہ سال کے لڑکے تھے، اور ابتدائی تعلیم کے بعد مدرسہ ندوۃ العلما میں بغرض تعلیم گئے تھے، نیز مولانا مسعود علی ندوی عالم و فاضل ہو جانے کے بعد بھی لکھنے پڑھنے سے زیادہ انتظام و انصرام کی خوبیوں کے سبب معروف تھے۔ مولوی مسعود علی جنھیں علامہ شبلی نعمانی نے ترجموں کو جانچنے کے لیے پینل میں شامل کیا تھا، وہ دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ-حیدرآباد دکن کے معروف مترجم تھے، جنھوں نے دوسری کتابوں کے ساتھ سر عبدالرحیم کی Principles of Mohammedan Jurisprudence کو ''اصول فقہ اسلام'' کے نام سے اردو میں منتقل کیا ہے۔ ان کے متعدد دوسرے تراجم دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کی طرف سے شائع ہوئے ہیں۔

۱۹۱۱ء میں ندوۃ العلما کے ارکان انتظامیہ کا انتخاب ہو رہا تھا۔ علامہ شبلی نے ایک مراسلے میں پنجاب سے ''مسٹر محمد شفیع'' کا نام تجویز کیے جانے کا مشورہ دیا تھا۔ ''مکتوبات شبلی'' کے فاضل مرتب نے اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی-لاہور کے معروف استاد مولوی محمد شفیع (م:۱۹۶۳ء) کو ''مسٹر محمد شفیع'' کا مصداق سمجھا ہے۔ مولوی محمد شفیع اپنے علم و فضل کے باوجود کبھی عوامی رہنما نہیں رہے۔ ''مسٹر محمد شفیع'' سے مراد سر میاں محمد شفیع (م: ۱۹۳۲ء) ہیں، جو اپنے وقت کے معروف سیاست دان تھے، اور ۱۹۲۰ء کے عشرے میں، جب آل انڈیا مسلم لیگ دو حصوں میں بٹ گئی تھی، تو وہ ایک حصے کے سربراہ تھے، اور یہ حصہ انھیں کے نام سے ''شفیع لیگ'' کے طور پر معروف ہوا تھا۔

سید ہمایوں مرزا (م:۱۹۶۲ء) کے نام ایک مکتوب میں کتاب ''مشیر نسواں'' کا ذکر ہے۔ اس پر یہ حاشیہ لکھا گیا ہے: ''مشیر نسواں: یہ رسالہ مولوی سید ممتاز علی کی تصنیف ہے۔'' (۱۳) حیرت ہے کہ جس کتاب کے بارے میں علامہ شبلی نے لکھا ہے: ''مجھ کو ہرگز توقع نہ تھی کہ ہمارے زمانہ کی مخدرات ایسی قابلانہ، مفید، دلچسپ اور فصیح کتابیں تصنیف کرسکتی ہیں۔'' (۱۴) اسے کسی مخدرہ (پردہ نشین خاتون) کے بجائے مولوی سید ممتاز علی (م:۱۹۳۵ء) کی کتاب قرار دے دیا جائے! یہ کتاب غالباً مکتوب الیہ سید ہمایوں مرزا کی اہلیہ صغریٰ ہمایوں بیگم کی تالیف ہے۔

ان جزوی کمزوریوں سے قطع نظر ''مکتوبات شبلی'' کا ان شاء اللہ شمار علامہ شبلی نعمانی کے کارنامۂ حیات کی تحقیق و تفحص کے حوالے سے ان مآخذ میں ہوگا جن کا مطالعہ ناگزیر سمجھا جائے گا۔

حوالہ جات و حواشی

۱- سید سلیمان ندوی (مرتب)، دیباچہ طبع ثانی ''مکاتیب شبلی''، حصہ اول، اعظم گڑھ: مطبع

معارف، ۱۹۲۸ء

۲- ایضا، مقدمہ ''مکاتیب شبلی''، حوالہ مذکورہ، ص ۳

۳- ۵ مئی ۱۹۱۰ء کے ایک مکتوب میں علامہ شبلی نعمانی نے نواب حبیب الرحمٰن خاں شروانی (م: ۱۹۵۰ء) کو لکھا: ''سید سلیمان میرے خطوط جمع کر رہے ہیں۔ کیا آپ کے پاس میرے ہفوات غلطی سے محفوظ ہوں گے؟'' (سید سلیمان ندوی، ''مکاتیب شبلی''، حصہ اول، حوالہ مذکورہ، ص ۱۷۹)

۴- سید سلیمان ندوی (مرتب)، مقدمہ ''مکاتیب شبلی''، حصہ اول، حوالہ مذکورہ، ص ۱۰۔ سید صاحب نے انتخاب مکاتیب کے جو اصول وضع کیے ہیں، ان کے سوا بھی بعض امور ان کے پیش نظر رہے ہیں۔ انھوں نے بحیثیت مجموعی ایسے مکتوبات کی اشاعت بھی پسند نہیں کی جن سے علامہ شبلی کے بارے میں بدگمانیوں کو ہوا ملتی تھی۔

۵- ایضا، ص ۳

۶- ''خطوط شبلی'' کی دوسری اشاعت (لاہور: تاج کمپنی، ۱۹۳۵ء) میں بطور مرتب صرف مولوی محمد امین زبیری کا نام چھپا ہے۔

۷- خورشید نعمانی رودولوی، شبلی شناسی، ''مکتوبات شبلی'' (مرتبہ محمد الیاس الاعظمی)، اعظم گڑھ: ادبی دائرہ، دسمبر ۲۰۱۲ء، ص ۷

۸- محمد الیاس الاعظمی، ''مکتوبات شبلی''، حوالہ مذکورہ ص ۱۴

۹- ایضاً، صفحات ۱۸۴-۱۸۶

۱۰- ایضاً، ص ۱۵

۱۱- ایضاً، ص ۸۹

۱۲- محمد حسنین، ''خطوط شبلی بنام آزاد (بقلم شبلی)''، پٹنہ بہار اردو اکادمی، ۱۹۸۸ء، ص

۱۳- محمد الیاس الاعظمی، ''مکتوبات شبلی''، حوالہ مذکورہ، ص ۱۵۴

۱۴- ایضاً، ص ۱۵۳

[''جہات الاسلام'' بابت جولائی - دسمبر ۲۰۱۳ء، جلد ۷، شمارہ ۱- صفحات ۱۹۵-۲۰۲]

شبلی شناسی کے سو سال

(ایک طائرانہ نظر)

[۲۰۱۴ء]

علامہ شبلی نعمانی (۱۸۵۷ء-۱۹۱۴) کے فکر و دانش سے اعتنا کے حوالے سے جہاں ان کی تالیفات وتصنیفات کو درسی مقاصد کے لیے استعمال کیا گیا، ان کی تشریحات اور تلخیصات تیار کی گئیں، ان کی تعریف وتحسین کے ساتھ انھیں نقد ونظر کے ترازو میں تولا گیا اور مستقل بالذات کتابیں تصنیف کی گئیں، وہیں ان کے افکار کے مختلف پہلوؤں کو الگ الگ کرتے ہوئے بڑی تعداد میں معمولی نوعیت کی تحریروں سے لے کر اعلی درجے کے تنقیدی مقالات تک لکھے گئے ہیں۔ یہ مقالات رسائل و جرائد میں شائع ہوئے اور بالخصوص علامہ شبلی کی یاد میں مرتبہ رسائل کی خصوصی اشاعتوں میں پیش کیے گئے۔ ایسا بھی ہوا کہ مختلف علمی و ادبی اداروں اور تنظیموں کی جانب سے علامہ کی یاد میں سیمیناروں کا اہتمام کیا گیا، جن میں مقالات پیش کیے گئے، اور یہی مقالات (یا ان کی تعداد میں کچھ کمی بیشی کے ساتھ) رسائل کی خصوصی اشاعتوں اور مجموعہ ہاے مضامین کی شکل میں منصۂ شہود پر آئے۔

رسائل و جرائد کی خصوصی اشاعتوں کی حد تک شبلی شناسی کو جناب محمد الیاس الاعظمی نے زیرِنظر کتاب ''شبلی شناسی کے سو سال'' میں موضوعِ تحقیق وتنقید بنایا ہے، تاہم انھوں نے اصل موضوع پر قلم اٹھانے سے پہلے ''شبلی شناسی'' کے زیرِعنوان ایک طویل

مضمون شامل کیا ہے جس میں شبلی شناسی کے چند پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔آغاز مضمون میں جامعات میں علامہ شبلی کے فکر و دانش پر اعلی تعلیمی سطح پر لکھے گئے مقالات کا مجملاً بہ لحاظ تعداد ذکر کیا ہے۔ان جامعات میں ملایشیا کی انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی کوالالمپور، مصر کی قاہرہ یونیورسٹی اور کینیڈا کی میک گل یونیورسٹی مانٹریال بھی شامل ہیں، جن میں اطلاع کے مطابق ایک ایک مقالہ لکھا گیا ہے۔(برعظیم سے باہر علامہ شبلی نعمانی کے فکر و دانش کو انھیں اہل تحقیق نے موضوعِ بحث بنایا ہے، جن کا پس منظر برعظیم کا تھا اور اردو زبان سے واقفیت رکھتے تھے۔ان اہل تحقیق میں سے بعض نے مذکورہ جامعات کے علاوہ دوسری جامعات، مثلاً ٹمپل یونیورسٹی فلاڈلفیا، ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور کیمبرج یونیورسٹی کیمبرج- برطانیہ سے اعلی سندیں حاصل کی ہیں)شبلی شناسی کے حوالے سے جناب اعظمی نے ان تعلیمی اداروں اور ادبی و علمی تنظیموں کا کھوج لگانے کی کوشش بھی کی ہے جو علامہ کے اسم گرامی سے موسوم ہیں۔اس طرح جن شہروں میں شاہراؤں کو علامہ کے نام سے نسبت دی گئی ہے، ان کا ذکر بھی کیا گیا ہے، نیز علامہ شبلی کے حوالے سے منعقد گیارہ سیمیناروں اور چار تقریبات کی تفصیلات فراہم کی گئی ہیں۔جن کا انعقاد بطور یوم شبلی/ ہفتۂ شبلی کیا گیا تھا۔آخر میں دارالمصنّفین اعظم گڑھ کے زیر اہتمام آٹھ، اور خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری- پٹنہ کے زیر اہتمام ایک شبلی یادگاری خطبے کی یادیں تازہ کی ہیں۔اس ساری پیش رفت کے بیانیے کے بعد جناب اعظمی نے اندوہ و ملال کے ساتھ شکوہ کیا ہے کہ ''آزادی کے بعد حکومت (ہندوستان) کی سطح پر علامہ شبلی کو کبھی یاد نہیں کیا گیا۔شعبۂ مطالعات شبلی اور شبلی چیئر تو دور، ایک ڈاک ٹکٹ بھی جاری نہیں کیا گیا۔---رہے برصغیر کے دوسرے ممالک، پاکستان و بنگلہ دیش تو وہ کیوں کر علامہ شبلی کو یاد کرتے۔وہاں بھی غالباً حکومت کی سطح پر کوئی کام نہیں ہوا، البتہ اہل علم و کمال اور دانش وروں نے شبلی اور فکر شبلی سے ہمیشہ سروکار رکھا۔آج شبلی شناسی کا جو سرمایہ ہمارے پاس ہے، وہ انھیں دانش مندوں

کا رہین منت ہے۔(ص:۵۶)

جناب محمد الیاس الاعظمی کی تحقیق وجستجو کے مطابق برعظیم کے۱۲اردو رسائل و مجلّات نے علامہ شبلی کے فکر و دانش کے حوالے سے چھوٹی بڑی خصوصی اشاعتیں (شبلی نمبر) پیش کی ہیں۔اولیں شبلی نمبر ماہنامہ ''خضر راہ'' (لکھنؤ) کا مارچ ۱۹۳۰ء میں شائع ہوا تھا۔اس سلسلے کی تازہ ترین کاوش سہ ماہی ''اسلام اور عصر جدید'' (ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک سٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی) کا ''خصوصی شمارہ-نذر شبلی نعمانی'' ہے، جو جولائی ۲۰۰۸ء میں شائع ہوا تھا۔مذکورہ جملہ خصوصی اشاعتوں کی تفصیل یہ ہے:

۱- ماہنامہ ''خضر راہ'' (لکھنو)، مارچ ۱۹۳۰ء، مرتبہ حامد ندوی

۲- ماہنامہ ''صبا'' (حیدرآباد-دکن) ۱۹۵۸ء، مرتبہ سلیمان اریب (م:۱۹۷۲ء)

۳- ماہنامہ ''خاور'' (ڈھاکہ)، مارچ ۱۹۵۳ء، مرتبہ عندلیب شادانی (م:۱۹۶۹ء)

۴- مجلّہ ''البصیر''، (اسلامیہ کالج، چنیوٹ)، ۱۹۵۸ء، مرتبہ غلام دستگیر

۵- ماہنامہ ''درس'' (جامعہ اردو-علی گڑھ)

۶- ماہنامہ ''ادیب'' (جامعہ اردو-علی گڑھ)، ستمبر ۱۹۶۰ء، مرتبہ ابن فرید (م:۲۰۰۳ء)

۷- مجلّہ ''کریسنٹ'' (اسلامیہ کالج، ریلوے روڈ لاہور)، جنوری ۱۹۷۱ء، مرتبہ خالد بزمی (م:۱۹۹۹ء)

۸- ہفت روزہ ''ہماری زبان'' (انجمن ترقی اردو ہند، دہلی)، ۱۵-۲۲اپریل ۱۹۹۵ء، مرتبہ خلیق انجم

۹- سہ ماہی اردو ادب'' (انجمن ترقی اردو ہند، دہلی)، ۱۹۹۶ء، مرتبہ خلیق انجم

۱۰- سہ ماہی ''فکر نظر'' (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی-علی گڑھ)، جون ۱۹۹۶ء، مرتبہ شہر یار

۱۱- مجلّہ ''شبلی کالج میگزین'' (شبلی نیشنل پوسٹ گریجویٹ کالج، اعظم گڑھ)، ۰۸-۲۰۰۷ء، مرتبہ فخر الاسلام اعظمی

۱۲- سہ ماہی ''اسلام اور عصر جدید'' ((ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک سٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی)، جولائی ۲۰۰۸ء، مرتبہ اختر الواسع وفرحت احساس

مذکورہ بالا ۱۲ خصوصی اشاعتوں میں سے دو رسائل ''درس'' اور ''خاور'' کے شبلی نمبر جناب اعظمی کو دستیاب نہ ہو سکے، تاہم اول الذکر کا حوالہ ''باقیات شبلی'' میں جناب مشتاق حسین نے بہ تکرار دیا ہے۔ ثانی الذکر شبلی نمبر کا مجمل حوالہ محمد ضیاء الدین انصاری (م: ۲۰۰۶ء) نے اپنی مرتبہ کتابیاتِ شبلی- بعنوان ''جہان شبلی'' (مشمولہ ''فکر ونظر'' علی گڑھ، شبلی نمبر) میں دیا ہے۔ جناب اعظمی نے اپنی تحقیق وجستجو کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''خاور'' کے شمارے مختلف لائبریریوں میں محفوظ ہیں، البتہ اس کا شبلی نمبر کہیں دستیاب نہیں، نیز محمد ضیاء الدین انصاری مرحوم کے ''علاوہ اس کا کہیں اور ذکر نہیں ملتا۔'' (ص:۷۴)

کسی بھی واقعے کے اثبات کے لیے سیکڑوں منفی اطلاعات اور ہزاروں افراد کے سکوت کے بالمقابل مثبت شہادت کی اہمیت زیادہ ہے، اس لیے جناب اعظمی نے ''خاور'' کے ''شبلی نمبر'' کی تلاش جاری رکھی، اور اپنی ناکام جد و جہد کے ساتھ محمد ضیاء الدین انصاری کے دعوے کا ذکر کیا ہے۔ کیا ''خاور'' کا واقعی کوئی شبلی نمبر شائع ہوا تھا؟ خاور کے مدیر عندلیب شادانی کے احوال وآثار پر نظیر صدیقی (م:۲۰۰۱ء) اور کلثوم ابوالبشر نے دادِ تحقیق دی ہے۔ نظیر صدیقی کی تالیف ''ڈاکٹر عندلیب شادانی: ایک مطالعہ'' (کراچی، مکتبہ اسلوب، ۱۹۸۵ء) اور کلثوم ابوالبشر کے مقالۂ تحقیق برائے ڈاکٹریٹ ''ڈاکٹر عندلیب شادانی: حیات اور کارنامے'' (ڈھاکہ: ڈھاکہ یونیورسٹی، ۱۹۹۲ء) میں ''خاور'' کے ''شبلی نمبر'' کا ذکر نہیں۔ ان دونوں سے پہلے بنگلہ دیش [سابق مشرقی پاکستان] میں اردو زبان و ادب کے حوالے سے جن مصنّفین نے قلم اٹھایا، ان میں سے ایک نام وفا راشدی (م:

۲۰۰۳ء) کا ہے۔انھوں نے اپنی تالیف ''بنگال میں اردو'' (حیدرآباد سندھ: مکتبہ اشاعت اردو، ۱۹۵۵ء) میں ڈاکٹر شادانی کی تصنیفات و تالیفات کا ذکر کیا ہے،اور سابق مشرقی پاکستان کی صحافت کے تحت ''خاور'' کا اندراج کیا،مگر کسی خصوصی اشاعت کی بابت علامہ شبلی کا دور دور تک کوئی اشارہ نہیں۔

حال ہی میں پروفیسر ہارون الرشید نے جن کی زندگی کا ایک بڑا حصہ مشرقی پاکستان میں گزرا ہے،وہاں کے دبستان اردو سے متعلق ایک کتاب ''نوائے مشرق'' (کراچی: میڈیا گرافکس،۲۰۱۳ء) میں عندلیب شادانی کے بارے میں گیارہ صفحاتی مضمون میں ماہنامہ ''خاور'' کے بارے میں صرف یہ اطلاع دی ہے: ''اپریل ۱۹۵۲ء سے ڈاکٹر صاحب نے ڈھاکے سے ایک ماہنامہ ''خاور'' جاری کیا۔ یہ ایک اعلیٰ درجے کا ادبی ماہنامہ تھا۔اس کی ہندوپاکستان کے علمی وادبی حلقوں میں بڑی پذیرائی ہوئی،لیکن وسائل کی کمی کی وجہ سے اس کے صرف بارہ شمارے نکل سکے۔''

محمد ضیاء الدین انصاری کی نظر سے ''خاور'' کا مزعومہ ''شبلی نمبر'' نہیں گزرا تھا، کیوں کہ متعلقہ شمارے (بابت مارچ ۱۹۵۳ء) کے کسی مقالے کا علامہ شبلی سے متعلق ہونے کے باوجود کوئی اندراج ''جہانِ شبلی'' میں نہیں ہے۔اس کے برعکس ماہنامہ ''خاور'' کے چار شماروں بابت مئی، جولائی،نومبر ۱۹۵۲ء اور فروری ۱۹۵۳ء میں علامہ شبلی کے حوالے سے اندراجات موجود ہیں۔فروری ۱۹۵۳ء میں ''شعر العجم'' کے بارے میں آفتاب احمد صدیقی کی تحریر شائع ہوئی تھی۔سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایک ماہ بعد عندلیب شادانی ''خاور'' کی خصوصی اشاعت بابت علامہ شبلی شائع کررہے تھے تو فروری ۱۹۵۳ء سے پہلے کے مضامین (بابت علامہ شبلی) نہیں تو کم از کم فروری ۱۹۵۳ء کی تحریر کو ایک ماہ بعد کی خصوصی اشاعت کے لیے محفوظ کرلیتے،اور یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ ''خاور'' کی اشاعت میں مالی مشکلات حائل رہی تھیں،اگر عام شماروں کی یہ کیفیت تھی تو نسبتاً زیادہ

ضخامت کے حامل شمارے کی اشاعت کے بارے میں اندازہ کیا جاسکتا ہے!

مذکورہ بالا صورت حال میں غالب امکان اس بات کا ہے کہ ''خاور'' کی کوئی خصوصی اشاعت بابت علامہ شبلی شائع نہیں ہوئی تھی۔

علامہ شبلی کے بارے میں خصوصی اشاعت پیش کرنے کی اولیت ماہنامہ ''خضر راہ'' (لکھنو) کو حاصل ہے، مگر شمالی ہند سے شائع ہونے والے رسالے کی شہرت حیدرآباد دکن کے سلیمان اریب تک نہ پہنچ سکی کہ انھوں نے اپنے مرتبہ ''صبا (شبلی نمبر)'' کو علامہ شبلی کی شخصیت وفن پر پہلا خاص نمبر قرار دے دیا تھا۔ ماہنامہ ''خضر راہ'' کی محدود اشاعت ہی کا نتیجہ ہے کہ اس کے مرتب جناب حامد ندوی کے بارے میں کوئی زیادہ معلومات دستیاب نہیں۔ جناب اعظمی کے بقول اپنی صفت نسبتی ندوی کے لحاظ سے ظاہر ہے کہ وہ ''ندوۃ العلما کے فاضل تھے، لیکن کہاں کے رہنے والے تھے، تصنیف وتالیف کی تربیت کس سے حاصل کی اور کون سے علمی وتصنیفی کارنامے انجام دیے اور کب وفات پائی، کسی قسم کی تفصیلات دستیاب نہ ہوسکیں'' (ص:۵۸)۔ تاہم تاریخ ندوۃ العلما، حصہ دوم'' (لکھنو: دفتر نظامت ندوۃ العلما، ۱۹۸۴ء) سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۴۰ء میں جن دنوں عبدالسلام قدوائی دارالعلوم کے انتظامی ذمہ داروں میں سے تھے، انھوں نے فروری ۱۹۴۰ء میں حامد ندوی (حامد علی ندوی) کو انجمن معین الندوہ کا ذمہ دار مقرر کیا تھا۔

جناب اعظمی نے ایک ایک خصوصی اشاعت کے جملہ مضامین کا تعارف لکھنے کی کوشش کی ہے، حسب ضرورت مضامین کے اقتباسات نقل کیے ہیں اور مضامین پر اپنی رائے بھی دی ہے اور جہاں اختلاف کو ضروری خیال کیا ہے، وہاں کھلے طور پر اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ بحیثیت مجموعی ان کا جھکاؤ علامہ شبلی نعمانی کی شخصیت اور فن کی تحلیل کی جانب ہے۔ انھوں نے علامہ شبلی کے فکر وفن پر قلم اٹھانے والے ان متعدد افراد کے

بارے میں اپنی رائے کا اظہار بھی کیا ہے جن کے مقالات، رسائل ومجلّات کے زیر مطالعہ خصوصی شماروں میں شامل ہیں۔کہیں یہ رائے محض ایک مقالے پر مبنی ہے، اور کہیں کہیں مقالہ نگار کی مجموعی شبلی شناسی کے حوالے سے ہے۔چند آرا دیکھیے :

☆ ''ڈاکٹر سید عبداللہ کا مطالعۂ شبلیات گہرا تھا---البصیر میں شامل مقالہ [شبلی کے تصنیفی کام کی مجموعی قدر و قیمت] خاص طور پر پڑھنے کے قابل ہے۔اس سے شبلی کی عظمت اور فکری بلندی کا اندازہ ہوتا ہے۔'' (ص۸۹)

☆ ''شبلی: ایک دبستان'' (ڈھاکہ: مکتبہ عارفین، س-ن) کے آفتاب احمد صدیقی (م:۱۹۹۸ء) نے ''علامہ شبلی کے کارناموں کا گہرائی سے مطالعہ کیا تھا۔زیر نظر مقالہ [شبلی متکلم] سے بھی ان کے گہرے مطالعے کا پتہ چلتا ہے۔'' (ص:۹۱)

☆ مرزا احسان احمد (۱۸۹۵ء-۱۹۷۲ء) نے ''اپنے مقالہ [علامہ شبلی بحیثیت محقق و نقاد] میں ان [علامہ شبلی] کی تحقیقی بصیرت و بصارت دکھلائی ہے۔خاص طور پر ان کی محققانہ تصنیفات سے متعدد مضبوط دلائل پیش کیے ہیں۔یہ اپنے موضوع پر پہلا ناقدانہ مقالہ تھا جس میں علامہ شبلی کی محققانہ کاوشوں کا تجزیہ ہے۔'' ص:۱۰۷)

☆ پروفیسر آل احمد سرور (م:۲۰۰۲ء) نے ''حیات شبلی'' پر تبصرہ لکھا ہے۔''اس میں انھوں نے مولانا سید سلیمان ندوی سے اتفاق بھی کیا ہے اور اختلاف بھی۔لیکن شبلی کی شخصیت کا جہاں جہاں تجزیہ کیا ہے، وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے مبصر نے شبلی کی شخصیت کا، تصنیفات کا، افکار و خیالات کا بڑی گہرائی اور گیرائی سے مطالعہ کیا ہے اور شبلی کی عظمت کے نقوش ان کے دل و دماغ پر ثبت ہیں۔'' (ص:۱۴۲)

☆ ممتاز منگلوری نے [مقالے-علامہ شبلی کی تصنیفات] میں ''تصانیف شبلی کا عمومی تجزیہ پیش کیا ہے۔---ان کے نزدیک شبلی کا ایک بڑا کارنامہ فلسفۂ تاریخ کی تدوین ہے۔اس میں وہ ابن خلدون کی صف میں نظر آتے ہیں۔ممتاز منگلوری نے شبلی کے فلسفۂ

تاریخ کا سماجی اور معاشرتی نقطۂ نظر سے بھی مطالعہ کی کوشش کی ہے۔علامہ شبلی کی مورخانہ بصیرت پر یہ ایک عمدہ مقالہ ہے۔'' (ص:۱۵۳)

☆ پروفیسر خلیق احمد نظامی کے دو' مقالات [ادب اور مشرقی تاریخ کا مخزن۔شبلی، علامہ شبلی بحیثیت مورخ] سے ''بہتر شبلی کی تاریخ نویسی کا تجزیہ اب تک نہیں ہوا ہے، حالانکہ اختر وقار عظیم نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب 'شبلی بحیثیت مورخ' لکھی ہے۔'' (ص:۱۹٦)

علامہ شبلی نعمانی کے کارنامۂ حیات کے معترضین کے پہلو بہ پہلو وہ حضرات بھی ہیں جنھیں علامہ شبلی کی شخصیت اور اپنے معاصرین سے ان کے اختلاف فکر پر اعتراض ہے، نیز علامہ کی تنقیدی وتحقیقی بصیرت پر اعتماد نہیں۔علامہ شبلی کی یاد میں شائع ہونے والی خصوصی اشاعتوں میں کھلے مخالفین کو زیادہ اہمیت نہیں ملی، تاہم ان کی آرا کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔اس طرز کے مباحث میں علی گڑھ تحریک اور سرسید احمد خان سے علامہ شبلی کے تعلقات پر بہت گفتگو کی گئی ہے،اس ضمن میں ''حیات جاوید'' کے مولف خواجہ الطاف حسین حالی اور علامہ شبلی کے باہمی روابط اور رویوں کا ذکر بھی کیا جاتا ہے۔(مختلف مضامین پر تبصروں کے لیے دیکھیے: صفحات ۷۹-۸۰-۹۱-۱۰۵-۱۰۷-۱۴۸-۱۵۳-۱٦۸-۱٦۹-۱۷۱-۱۷۷،اور ۲۰۰-۲۰۱) جناب محمد الیاس الاعظمی کے نقطۂ نظر کے مطابق:

> واقعہ یہ ہے کہ شبلی، سرسید اور ان کی تحریک کے کبھی مخالف نہیں رہے۔اس کی اہمیت پہلے دن سے ان پر واضح تھی اور اخیر تک ان کے موقف میں تبدیلی نہیں آئی۔یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریروں میں جدید تعلیم کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں ملتا۔اسی طرح زندگی بھر سرسید کے احترام میں انھوں نے کمی نہیں کی۔ہاں! دونوں کے نقطۂ نظر میں کسی قدر

فرق تھا اور یہ فرق، فرق تھا، مخالفت کبھی نہیں بنا۔ (ص:۱۴۹)

ایک دوسرے موقع پر لکھا ہے کہ ''شبلی نے جس طرح سرسید کی عظمت اور علی گڑھ کالج کے احسانات کا ذکر کیا ہے، سرسید کے غالی سے غالی ہم نوا نے بھی نہیں کیا ہوگا'' (صفحات:۱۷۴-۱۷۵)۔ اپنی تائید میں جناب اعظمی نے علامہ شبلی کی تحریروں سے استشہاد کیا ہے۔ حالی وشبلی کے ضمن میں لکھا ہے: ''سرسید کی سوانح عمری 'حیات جاوید' پر شبلی کے نقطۂ نظر سے اہل علم واقف ہیں۔ وہ شبلی کو پسند نہ تھی۔ اسے انھوں نے کتاب المناقب اور مدلل مداحی قرار دیا تھا۔ اس کا ذکر اہل قلم کرتے رہے ہیں، مگر پروفیسر آل احمد سرور کے الفاظ میں معاملہ صرف یہ ہے کہ علامہ شبلی کو 'مصور پسند تھا، اس کی بنائی ہوئی ایک تصویر پسند نہ تھی۔'' (صفحات:۱۵۲-۱۵۳)

''خطوط شبلی بنام محترمہ زہرا بیگم صاحبہ و عطیہ بیگم صاحبہ فیضی'' (اشاعت: ۱۹۳۵ء) اور ان خطوط پر مولوی عبدالحق کے مقدمے سے علامہ شبلی کی شخصیت کے بارے میں جس مباحثے کا آغاز ہوا تھا، اس میں ''حیات شبلی'' لکھتے ہوئے سید سلیمان ندوی کی کامل خاموشی نے ایک طوفان کی شکل اختیار کر لی اور اس طوفان کے گرد وغبار کے اثرات آج بھی محسوس کیے جاتے ہیں۔ جناب محمد الیاس الاعظمی نے زیر نظر کتاب کے دو تین مقامات پر اس حوالے سے گفتگو کی ہے۔ ان کی الفاظ میں: ''ڈاکٹر ابن فرید نے---ایک مفصل مقالہ 'شبلی چوں بہ خلوت می رود' لکھا ہے جس میں انھوں نے 'خطوط شبلی'، 'دستہ گل' اور 'بوئے گل' کے حوالے سے بابائے اردو (مولوی عبدالحق)، ڈاکٹر وحید قریشی اور شیخ محمد اکرام وغیرہ کے اعتراضات والزامات کے جالے کو انھیں کے اسلوب میں صاف کیا ہے، اس موضوع پر ابن فرید سے بہتر کسی نے آج تک نہیں لکھی۔'' (ص:۱۰۰)

رسائل ومجلّات کی خصوصی اشاعتوں کے مقالات اور ان پر تبصروں کی شکل میں فکر شبلی کے کم وبیش تمام پہلوؤں کا احاطہ کر لیا گیا ہے، اور حسب ضروری جناب اعظمی نے

اپنی رائے بھی دے دی ہے۔

جناب محمد الیاس الاعظمی نے ان خصوصی اشاعتوں یا شبلی نمبروں کے بارے میں بحیثیت مجموعی جو آرا قائم کی ہیں، ان پر نظر ڈال لینا مفید ہوگا۔

☆ خضر راہ ''بحیثیت مجموعی ماہنامہ 'خضر راہ' شبلی کی سوانح، شخصیت، عظمت اور علمی، ادبی، تنقیدی، تاریخی اور قومی خدمات کے ذکر پر مشتمل ہے۔ باوجود اس کے کہ یہ کسی رسالہ کا پہلا شبلی نمبر تھا، بہت وقیع اور بھرپور ہے۔ اس رسالہ سے پہلے علامہ شبلی کی شخصیت پر صرف ایک کتاب ''تذکرہ شبلی'' از محمد مہدی اسلامیہ کالج اٹاوہ سے پاشا سیریز کے تحت ۱۹۱۸ء میں شائع ہوئی تھی۔ شبلی کی وفات کے بعد سب سے اہم کام جو منظر عام پر آیا، وہ یہی 'خضر راہ' کا شبلی نمبر تھا۔'' (صفحات ۷۲-۷۳)

☆ صبا (حیدرآباد- دکن) ''بحیثیت مجموعی یہ ایک عمدہ خصوصی شمارہ ہے۔'' (ص: ۸۳)

☆ البصیر (چنیوٹ) ''یہ شبلی نمبر شبلیات میں گراں قدر اضافہ کی حیثیت رکھتا ہے۔'' (ص: ۹۴)

☆ ادیب (علی گڑھ) '''ادیب' کا شبلی نمبر ڈاکٹر ابن فرید کا ایک بڑا کارنامہ ہے جسے شبلی شناسی کی تاریخ میں کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا، البتہ یہاں یہ ذکر ضروری ہے کہ اس میں علامہ شبلی کے کئی اہم کارناموں کا ذکر نہیں آسکا ہے، مثلاً علامہ شبلی کی سب سے زیادہ پسندیدہ کتاب 'الفاروق' پر کوئی مقالہ نہیں، اسی طرح نہ صرف ان کا بلکہ اردو زبان کا لاثانی شاہ کار 'سیرۃ النبیؐ' کے ذکر سے بھی 'ادیب' کے اوراق سونے ہیں۔ اسی طرح 'الغزالی' اور 'سیرۃ النعمان' پر بھی مستقل مقالات شامل نہیں، اس کے باوجود 'ادیب' کا یہ خصوصی شمارہ شبلی شناسی کے میدان میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔'' (صفحات ۱۳۰-

(۱۳۱

☆ کریسنٹ (لاہور) ''کریسنٹ کا یہ نمبر اپنے مشمولات، ضخامت، تنوع مضامین، کسی لحاظ سے ماہنامہ'ادیب' علی گڑھ کے شبلی نمبر سے کسی طرح کم درجہ نہیں رکھتا، بلکہ اسے کئی معنوں میں تفوق حاصل ہے۔'' (ص۱۶۴)

☆ ہماری زبان (دہلی) ''اس مختصر نمبر میں شبلی کے حالات زندگی، بعض افکار و خیالات اور ان کے علمی و ادبی کارناموں کا ایک اجمالی مرقع آ گیا ہے۔'' (۱۶۷)

☆ اردو ادب (دہلی) ''اردو ادب' کا یہ شبلی نمبر کئی لحاظ سے بہت اہم ہے۔ شبلی کی شخصیت کے بنیادی خدوخال اس سے نمایاں ہو جاتے ہیں۔ ان کی شخصیت کی عبقریت اور انفرادیت کے متعدد پہلو مقالہ نگاروں نے واضح کیے ہیں۔ ان کی ادبی و تنقیدی حیثیت کی تعیین کی ہے۔ محققانہ روش پر گفتگو کی گئی ہے، لیکن ایک کمی محسوس ہوتی ہے کہ علامہ شبلی نے علم و ادب پر جو اثرات مرتب کیے یا اردو شعر و ادب جس حد تک ان کا رہین منت ہے، اس پر کسی مقالہ نگار نے روشنی نہیں ڈالی۔ اس کے باوجود 'اردو ادب' کا یہ نمبر گزشتہ خصوصی شماروں سے کسی طرح کم اہمیت نہیں رکھتا۔ شبلی شناسی میں اس کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔'' (ص۱۹۰)

☆ فکر و نظر (علی گڑھ) ''یہ شبلی نمبر شبلی شناسی کے میدان میں ایک نمایاں پیش رفت ہے۔ علامہ شبلی پر تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے اس کا مطالعہ ضروری قرار دیا جا سکتا ہے۔'' (ص۲۰۲)

☆ شبلی نیشنل پوسٹ گریجویٹ کالج اعظم گڑھ میگزین (اعظم گڑھ) ''مجموعی طور پر 'شبلی کالج میگزین' کا یہ 'شبلی نمبر' شبلی شناسی میں ایک اضافہ کی حیثیت رکھتا ہے۔---اس میں چند نئے موضوعات پر بھی مقالے شامل ہیں، لیکن شبلیات کے بہت سے ایسے گوشے ہیں جن کا سرے ذکر ہی نہیں۔'' (ص۲۱۳)

☆ اسلام اور عصر جدید (دہلی) ''اس شبلی نمبر کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں علامہ شبلی کے سات مقالات شامل کیے گئے ہیں، اس سے قبل شائع ہونے والے کسی 'شبلی نمبر' میں اس کا اہتمام نہیں کیا گیا۔'' (ص ۲۲۱)

شبلی نمبروں کے جائزے کے ساتھ مولانا ابوالکلام آزاد کے ماہنامہ ''لسان الصدق'' (کلکتہ) کی ورق گردانی کرتے ہوئے علامہ شبلی کی نسبت سے ضمیمہ ''ماہنامہ لسان الصدق اور علامہ شبلی'' شامل کیا گیا ہے۔ ''لسان الصدق'' کے شمارے خال خال ہی ملتے تھے، مگر مولانا آزاد کی صدسالہ یوم ولادت کی مناسبت سے پہلے جناب عبدالقوی دسنوی نے تمام دستیاب شماروں کو مرتب کیا (دہلی: مکتبہ جامعہ، اکتوبر ۱۹۸۸ء)، بعد میں جناب ابوسلمان شاہ جہاں پوری نے یہی کام اپنے انداز میں انجام دیا (کراچی: مولانا آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۹۶ء)۔ مولانا آزاد انجمن ترقی اردو سے ابتدائی دور میں وابستہ ہوگئے تھے، اور ان کا یہ ماہنامہ بہت حد تک انجمن ہی کا ترجمان بن گیا تھا۔ اس کے صفحات میں انجمن کی پیش رفت کے حوالے سے خاصا لوازمہ موجود ہے جس کی جانب جناب محمد الیاس الاعظمی نے توجہ دلائی ہے۔ ان کے بقول لسان الصدق کے تیرہ شمارے دستیاب ہیں۔ اور ''تقریباً ہر شمارہ میں علامہ شبلی کا ذکر براہ راست یا بالواسطہ کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے'' (ص ۲۷۷)۔ علامہ شبلی اور مولانا آزاد کے مراسم کے حوالے سے جو متعدد تحریریں شائع ہوئی ہیں، جناب اعظمی کی تحریر بھی بہت مناسب ہے۔

''شبلی شناسی کے سوسال'' کی ورق گردانی کرتے ہوئے جہاں یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ جناب محمد الیاس الاعظمی کی کتبِ شبلیات پر وسیع نظر ہے، وہیں توجہ اس جانب گئے بغیر نہیں رہ سکتی کہ انھوں نے کارِ تحقیق نہایت عجلت میں انجام دیا ہے۔

''ترتیب'' (فہرست مندرجات) میں ''خضر راہ'' (لکھنو) کے شبلی نمبر کا ماہ اور سال اشاعت مارچ ۱۹۳۰ء بتایا گیا ہے۔یہی اطلاع شبلی نمبر کے ابتدائی دوسطروں میں دہرائی گئی ہے،مگر عنوان کی تیسری سطر میں ماہ وسال اشاعت ستمبر ۱۹۳۰ء درج کر دیا گیا ہے (ص ۵۸۔''

صبا (حیدرآباد-دکن) کا ترتیب، نیز تعارفی تحریر میں بہ تکرار سال اشاعت ۱۹۵۷ء درج کیا گیا ہے (ص ۶۷)،لیکن صبا کے شبلی نمبر کے سرورق کا جو عکس شائع کیا گیا ہے (ص ۵۷)،اس میں شال اشاعت ۱۹۵۸ء مندرج ہے۔

''ترتیب'' میں ''کریسنٹ'' کے شبلی نمبر کا سال اشاعت ۱۹۷۰ء لکھا گیا ہے، جب کہ درست سال ۱۹۷۱ء ہے جیسا کہ سرورق کے عکس، نیز تعارفی تحریروں میں درج کیا گیا ہے۔

''کریسنٹ'' کے مدیر خالد بزمی (م:۱۹۹۹ء) کو جنوری ۱۹۷۱ء میں اسلامیہ کالج لاہور کا طالب علم بتایا گیا ہے (ص ۱۳۳)۔جناب اعظمی کی توجہ اس جانب نہیں جاسکی کہ ۱۹۳۲ء میں پیدا ہونے والے خالد بزمی کم وبیش ۳۹ برس کی عمر میں کالج کے طالب علم نہیں ہوسکتے۔یہی صورت حال ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار (پیدائش:۱۹۲۴ء) کی ہے، وہ ستمبر ۱۹۵۹ء میں اورینٹل کالج (پنجاب یونیورسٹی-لاہور) کے لیکچرار تعینات ہوگئے تھے۔ انھیں جنوری ۱۹۷۱ء میں اسلامیہ کالج کا طالب علم بتانا کسی طرح درست نہیں ہوسکتا۔

جناب اعظمی کا ناشر ادارہ ''ادبی دائرہ-اعظم گڑھ'' کتابوں کی طباعت میں نفاست اور حسن ذوق کا اظہار کرتا ہے۔کاغذ ہمیشہ سفید استعمال کیا جاتا ہے۔کتابت صاف ستھری ہوتی ہے،جلد اور گردوپوش بھی جاذب نظر ہوتا ہے،اور ان سب پر مستزاد کتاب میں اشاریے شامل کیے جاتے ہیں۔افسوس کہ زیرنظر کتاب اشاریوں کے بغیر

شائع ہوئی ہے۔

جناب اعظمی نے ''شبلی نمبروں'' کے سرورق کے عکس شائع کیے ہیں،اس سے احساس ہوتا ہے کہ شبلی نمبران کی نظر سے گزرے ہیں ہیں،مگر حیرت ہے کہ انھوں نے ''البصیر'' کے مدیر غلام دستگیر کی جگہ عبیداللہ خان کا نام درج کیا ہے۔شبلی نمبر کی ادارتی ٹیم میں انھیں نگراں قرار دیا گیا ہے،اور اگر انھوں نے کہیں اپنے آپ کو شبلی نمبر کا مدیر قرار دیا ہے تو یہ زیادہ درست دعوی نہیں۔''البصیر'' کے شبلی نمبر کی ورق گردانی سے واضح ہوتا ہے کہ اس کے اصل محرک کالج کے پرنسپل شیخ عطاء اللہ تھے،اور ان ہی نے مختلف افراد سے مضامین کے لیے خط کتابت کی تھی۔بہر حال کتابیاتی کوائف کی حد تک اسی فرد کو ادارت کا کریڈٹ دیا جانا چاہیے جس کا نام بطور مدیر شامل ہوا ہے۔

[''جہات الاسلام'' بابت جولائی-دسمبر۲۰۱۴ء،جلد۸شمارہ۱-صفحات ۲۳۵-۲۴۴]

ضمیمہ:

کاروانِ رفتگاں

[۲۰۰۸ء]

مولانا حافظ مجیب اللہ ندوی (م:۱۲مئی ۲۰۰۶ء) دارالعلوم ندوۃ العلما کے فاضل اور علامہ سید سلیمان ندوی (م:۱۹۵۳ء) کے تربیت یافتہ عالم ومصنف تھے۔ دارالعلوم ندوۃ العلما سے فارغ ہوکر سید صاحب کی خواہش پر دارالمصنّفین۔ اعظم گڑھ سے وابستہ ہوئے اور یہاں کے زمانۂ قیام(نومبر۱۹۴۴ء- ۱۹۶۷ء) میں ماہنامہ ''معارف'' کی مضمون نگاری کے ساتھ ساتھ ''اہل کتاب صحابہ وتابعین'' اور ''تبع تابعین'' (حصہ اول) کے نام سے دو وقیع تالیفات پیش کیں۔ ۱۹۶۷ء میں جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ سے اس طرح وابستہ ہوگئے کہ جامعۃ الرشاد اور ان کا نام لازم وملزوم کی حیثیت اختیار کرگیا۔ فروری ۱۹۸۱ء میں جامعۃ الرشاد کے ترجمان ''الرشاد'' کا اجراعمل میں آیا جو آج بھی حسب سابق شائع ہورہا ہے۔ ''الرشاد'' کو انھوں نے ''معارف'' کا مثنیٰ بنانے کی کوشش تو نہیں کی البتہ معارف کے بعض مستقل عنوانات کو''الرشاد'' میں شامل کرلیا تھا، ان میں سے ایک سفر آخرت پر روانہ ہونے والے احباب ورفقا اور نام ور اہل علم ودانش کے ذکرِ خیر کے لیے''وفیات'' کا عنوان تھا۔ ''الرشاد'' میں زیادہ تر انھوں نے خود ہی اس عنوان پر قلم اٹھایا۔ مرحومین کے حوالے سے انھوں نے اپنی یادداشتیں لکھیں، یادیں تازہ کیں اور مرحومین کے حسنات پر روشنی ڈالی اور ان کے قلمی سرمائے پر بے لاگ رائے دی۔

مولانا مجیب اللہ ندوی کی رحلت پر ان کے شاگرد رشید اور ''الرشاد'' کی ترتیب و تدوین میں ان کے معاون جناب محمد الیاس الاعظمی نے ''وفیات'' پر ان کی جملہ تحریریں زیر

نظر کتاب ''کاروانِ رفتگاں'' میں یک جا کردی ہیں۔ اس انداز کی ان کی اولین تحریر جو مولانا شبلی فقیہ کی رحلت پر ''معارف'' میں شائع ہوئی تھی، موضوع کی مناسبت سے اس مجموعے کے آغاز میں درج کردی گئی ہے۔

''کاروان رفتگاں'' میں ۱۲۰/ افراد کے بارے میں لکھا گیا ہے، ان میں وہ اہل قلم بھی ہیں جن سے مولانا حافظ مجیب اللہ نے فیض پایا، ان کے دامن سے اپنی وابستگی کو باعث افتخار جانا، اور وہ بھی ہیں جن سے انھوں نے اختلاف کیا۔ بڑے بھی ہیں اور چھوٹے بھی۔ برصغیر کے معروف اور کم معروف افراد ہیں اور مسلم دنیا کے مشاہیر علم وادب بھی۔ مختلف افراد پر لکھتے ہوئے حافظ صاحب نے ان سے اپنے تعلق، اس کی طوالت اور نوعیت کے تحت تھوڑا یا زیادہ لکھا ہے۔ بعض حضرات کے بارے میں دو چار پیراگراف ہی ہیں جب کہ چند بزرگوں کے بارے میں پانچ سے لے کر دس پندرہ صفحات تک بھی لکھے گئے ہیں۔

ڈاکٹر محمد حمیداللہ کے عشق نبوی کا ذکر کرتے ہوئے حافظ صاحب نے لکھا ہے:

> ''علمی حیثیت کے ساتھ ان کو دین اور اس کی قدروں، خاص طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے ایک عشق تھا۔ ۱۹۴۴ء کی بات ہے کہ وہ حضرت سید سلیمان ندوی سے ملاقات کے لیے دارالمصنّفین تشریف لائے۔ حضرت سید صاحب اپنے کمرے میں مشغول تھے، انھوں نے کتب خانے کی عمارت میں پہنچنے سے پہلے جوتے باہر اتار دیے۔ لوگوں نے کہا کہ آپ جوتا پہنے آیئے، مگر انھوں نے کہا کہ جہاں سیرتِ نبوی لکھی گئی ہو، وہاں میں جوتا پہن کر جاؤں!''
> (ص: ۲۵۰)

اپنے رفیق کار سید صباح الدین عبدالرحمٰن کے بارے میں بتایا کہ:

''علامہ شبلی اور سید صاحب [سید سلیمان ندوی] سے ان کو والہانہ تعلق تھا۔ جب کبھی شبلی اور سید صاحب پر وہ کوئی مقالہ لکھنے یا تقریر کرنے کی کسی اہل علم سے فرمایش کرتے تو یہ شرط لگا دیتے کہ ان بزرگوں کے خلاف کوئی فقرہ اور جملہ تقریر یا تحریر میں نہ آنے پائے۔'' (ص:٦٩)

سید سلیمان ندوی کی اہلیہ کے سانحۂ ارتحال پر مرحومہ کی سلیقہ مندی کے ضمن میں یہ اطلاع دی ہے:

''سید صاحب کو دارالمصنّفین کے آخری زمانہ یعنی ۱۹۴٦ء میں صرف ڈھائی سو روپے ماہوار دارالمصنّفین سے ملتے تھے، مگر ان کی سلیقہ مندی تھی کہ سید صاحب کی ظاہری نظافت وصفائی سے کوئی یہ محسوس نہیں کرسکتا تھا کہ وہ اتنا کم معاوضہ پاتے ہیں۔'' (ص:٦٢)

علمی معاملات کے حوالے سے متعدد افراد کی تالیفات اور افکار پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ مولانا محمد حنیف ندوی (م:۱۹۸۷ء) پر انھوں نے اپنے شذرے میں لکھا ہے کہ جب ادارہ ثقافت اسلامیہ-لاہور کی جانب سے ان کی کتاب ''مسئلہ اجتہاد'' شائع ہوئی تو اس کے بہت سے مندرجات پر مولانا مجیب اللہ نے تنقید کی۔ پاکستان میں یہ تنقید بعض دوسرے رسائل کے ساتھ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف کے ماہنامہ ''رحیق'' (لاہور) میں بالاقساط شائع ہوئی تھی۔ حافظ مجیب اللہ کے بقول ''مولانا [محمد حنیف ندوی] نے اس کو برا نہیں مانا، بلکہ خط لکھ کر اپنی خوشی کا اظہار کیا۔'' (ص:٦٥)

حافظ صاحب مولانا امین احسن اصلاحی کے تفردات کے بھی ناقد ہیں۔ ان کی شخصیت پر لکھتے ہوئے حافظ صاحب نے اپنی یہ رائے نقل کی ہے:

''عام طور مولانا[اصلاحی] کی علمی و ادبی صلاحیت پر جذباتیت اورصحافی رنگ غالب رہتا تھا جوان کی ہرتحریروتقریر میں محسوس ہوتا ہے۔ اسی کے ساتھ احساس برتری اور اِدعا کا انداز بھی ان کی تحریروں اورتقریروں میں بہت زیادہ نظر آتا ہے جس کی وجہ سے قدیم مفسرین اورمحدثین کی رایوں کو وہ کم ہی اہمیت دیتے تھے۔ پھر جب ان کی علمی حیثیت پر جذبات کا غلبہ ہوتا تھا تو ان کی تحریریں اور بات چیت عامیانہ رنگ اختیار کرلیتی تھی ......عام طور پر اپنی تفسیر میں عربیت کے ذوق کی بات کرکے بغیر حوالہ وہ کسی لفظ یا آیت کی اس طرح تشریح کرتے ہیں کہ ان کے سامنے سارے مفسرین بونے نظر آتے ہیں۔ مولانا جلیل احسن ندوی صاحب مرحوم نے ایسے مقامات کی اچھی گرفت کی ہے جو ماہنامہ ''زندگی'' میں کئی قسطوں میں شائع ہوچکی ہے۔'' (ص:۱۷۹)

شیخ ناصرالدین البانی (م:۱۹۹۹ء) عہد حاضر کے معروف محدث تھے، ان کے سلسلۂ احادیثِ ضعیفہ وصحیحہ کو خاصی مقبولیت حاصل ہوئی ہے، مگر حافظ مجیب اللہ ندوی کی بعض دوسرے حضرات کی طرح یہ رائے ہے کہ انھوں نے بعض اوقات انتہا پسندانہ رائے کا اظہار کیا ہے۔ ''مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری نے بڑی تحقیق سے ترمذی کی شرح لکھی ہے اور بہت سی حدیثیں جن کو ضعیف کہا جاتا ہے، ان کو قوی اور حسن تک قرار دیا ہے، مگر البانی صاحب نے ان کو موضوع قرار دے دیا ہے۔'' (صفحات:۲۰۹،۲۱۰)

مولانا شہاب الدین ندوی (م:۲۰۰۲ء) کی یاد میں لکھتے ہوئے ان کی کتابوں کا ذکر ان الفاظ میں کیا:

''قرآن اور سائنس کے موضوع سے ان کی دلچسپی نے ان کے قلم سے کئی بہت مفید کتابیں لکھوائیں۔ اس دور میں انھوں نے قرآن

اور کائنات کے موضوع پر بہت سے منفرد کام کیے ہیں، مگر افسوس ہے کہ
ان کے کام کی جتنی قدر دانی ہونی چاہیے، وہ نہ ہوسکی۔'' (ص:۲۴۶)

مولانا حافظ مجیب اللہ ندوی کو اپنے شاگردوں اور خردوں میں جس سے سب سے زیادہ لگاؤ تھا، وہ ڈاکٹر مشیر الحق مرحوم تھے۔ان کی رحلت پر تحریر کا عنوان رکھا: ''آہ! عزیزی مشیر الحق مرحوم''۔۵۳/ برس کے تعلق خاطر کے حوالے سے انھوں نے جو کچھ لکھا ہے، وہ دونوں حضرات کے عالمانہ رویے کا اظہار ہے۔مولانا حافظ مجیب اللہ ندوی جس ماحول کے فرد تھے، ڈاکٹر مشیر الحق اس سے نکل گئے تھے اور امت مسلمہ کے دینی مسائل کے حوالے سے ان کی اپنی آرا تھیں۔حافظ صاحب کے نزدیک یہ ان کا ''فکری انحراف'' تھا (ص:۹۲)، مگر جب ''الرشاد'' کا اجرا عمل میں آیا تو ڈاکٹر صاحب سے پوچھے بغیر ان کا نام رسالے کی مجلس ادارت میں ڈال دیا گیا۔مشیر الحق مرحوم کو احساس تھا کہ حافظ صاحب کو ان کا نام رسالے کی مجلس ادارت میں شامل کرنے پر کہیں معاصرین کی ملامت نہ سننا پڑے، اس پر حافظ صاحب کا جواب تھا: ''نام [مجلس ادارت میں] اس لیے ڈال دیا ہے کہ تمھارے اشہب قلم پر کچھ لگام لگی رہے'' (ص:۹۴)۔حافظ صاحب اسلامی مسائل سے متعلق مشیر الحق مرحوم کی بعض منفرد توجیہات وتعبیرات کے باوجود یہ گواہی دیتے ہیں کہ ''اسلامی عقائد میں ان کے اندر کوئی تزلزل اور اعمال میں کوئی بڑی خامی نہیں پیدا ہوئی۔ روزہ نماز کے انشراح قلب کے ساتھ پابند رہے''۔(ص:۹۲)

''کاروانِ رفتگاں'' کے مطالعے سے واضح ہے کہ یہ مجموعہ بھی اپنے پیش رو مجموعوں ''یادِ رفتگاں'' (سید سلیمان ندوی) اور ''بزم رفتگاں'' (سید صباح الدین عبدالرحمٰن) کے سلسلے کی حالیہ کڑی ہے اور ندوی برادری کے انداز فکر ونظر کی بہت حد تک ترجمان!

[سہ ماہی ''فکر ونظر'' اسلام آباد- جلد ۴۷ شمارہ ۴۔صفحہ ۱۵۱ تا ۱۵۴]

اشاریہ
ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی
بحیثیت مصنف

محمد عرفات اعجاز اعظمی

اشخاص

○○○

کتب و رسائل

○○○

مقامات

○○○

Dr. MOHAMMAD ILYAS AZMI
BAHAISIAT MUSANNIF

by

Dr. Safeer Akhtar

Edited by

Mohammad Arfat Ajaz Azmi

EDUCATIONAL
PUBLISHING HOUSE
New Delhi , INDIA